Digitized by Khilafat Library Rabwah

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

یعنی اردو رسالہ

ریویو آف ریلیجنز

قادیان سے ہر انگریزی ماہ کی پانچ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

نمبر ۹و۱۰ بابت ماہ ۵ ستمبر و اکتوبر سنہ ۱۹۳۶ء جمادی الثانی و رجب المرجب ۱۳۵۵ھ جلد ۳۵

ایڈیٹر قاضی محمد ظہور الدین اکمل

فہرست مضامین

البیان فی معنی انشق القمر

از مولانا چوہدری تاج الدین صاحب مولوی فاضل

قادیان

اندرون ہند سے تین روپے سالانہ | مستحق طلباء اور غیر احمدیوں سے ۲ روپے | بیرون ہند سے تین روپے ۸ر سالانہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ناظرین کرام!

مولانا چوہدری تاج الدین صاحب مولوی فاضل نے یہ عالمانہ مضمون توفّی کے معنے موت پر نہایت محنت و قابلیّت سے لکھا ہے۔ اس مضمون میں لفظ توفّی کے متعلق نہایت تحقیق اور تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ اور ثابت کیا گیا ہے کہ توفّی کے اصلی اور حقیقی معنے اماتت ہیں نہ کہ آسمان پر اُٹھانا۔ اس کے خلاف مخالفین کی طرف سے جو شبہات پیش کیے جاتے ہیں۔ ان سب کا معقول رنگ میں ازالہ کیا گیا ہے۔

گو بظاہر اس مضمون کا روئے سخن مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی اور ان کے رسالہ شہادة القرآن کی طرف ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے دوسرے مخالفین کی باتوں کو جمع کر دیا ہے۔ لیکن دراصل مندرجہ ذیل تالیفات میں لفظ توفّی کے متعلق بیان کردہ تمام امور کا جواب دیا گیا ہے۔ سیف چشتیائی، شمس الہدایت فی حیات المسیح مصنّفہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی۔ کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ مصنّفہ مولوی محمد ادریس صاحب دیوبندی۔ الجواب الفصیح لمنکر حیات المسیح مصنّفہ مولوی بدر عالم صاحب دیوبندی۔ تائید الاسلام مصنّفہ قاضی محمد سلیمان صاحب مصنّف رحمۃ للعالمین، الظفر الرحمانی (مباحثہ میانی)، مُسلم پاکٹ بک، محمدیہ پاکٹ بک وغیرہ۔ پس جہاں تک لفظ توفّی کا تعلق ہے یہ مضمون ان تمام مخالفانہ تحریروں کا مکمل جواب ہے۔ اسی لئے ہم نے یہ رسالہ ڈبل خرچ کر کے زائد بھی چھپوایا ہے تاکہ احباب جماعت احمدیہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں یہ پرچہ منگوا کر مناظرات و مباحثات میں فائدہ اُٹھائیں اور اپنا علم بڑھائیں۔

رسالہ کی قیمت چار آنے فی جلد ہے۔ بذریعہ ٹکٹ مطلوبہ تعداد منگوالیں پھر نہیں ملے گا۔

اور یہ نوٹ فرمالیں کہ اکتوبر کا رسالہ شائع نہیں ہوگا اسی میں شامل ہے۔

اور اگلا رسالہ ان بقایاداروں کے نام جن کی طرف سے تاحال چندہ ۱۹۳۶ء یا اس سے قبل کا نہیں ملا۔ وی۔ پی ہو گا۔ کیا اچھا ہو جو بذریعہ منی آرڈر بھیجدیں تاکہ وی۔ پی کے ۵ر کا زائد خرچ نہ پڑے اور دفتر کا نقصان بھی نہ ہو۔ بقایاداروں کی وجہ سے فنڈ میں روپیہ نہیں اور ہم رسالہ نہیں چھاپ سکتے ؏

(ایڈیٹر و مینیجر)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ

اَلْبَیَانُ الْوَفِیُّ فِیْ مَعْنَی التَّوَفِّیْ

نمبر ا

لفظ تَوَفّی کے متعلق مولوی ابراہیم صاحب کا دعویٰ

آیت یا عیسیٰ انی متوفّیك الخ سے مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے اپنے رسالہ "شہادت القرآن" میں "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور رفع الی السماء" پر استدلال کی بنیاد لفظ توفی پر رکھی ہے۔ اور اس ناکام کوشش میں کہ توفّی کے معنے "جسد عنصری اور رُوح" دونو کو پکڑ کر آسمان پر لے جانے کے ہیں پورے ۳۲ صفحے سیاہ کیئے ہیں۔ مگر باوجود اُلٹے سیدھے ہاتھ پاؤں مارنے کے اور حسب معمول اپنی محبوب تفاسیر پر سہارا لینے کے صاف مُنہ کی کھائی ہے۔

مولوی صاحب پر لازم تھا کہ "توفّی" پر بحث کرنے سے قبل اس امر پر غور کر لیتے، کہ یہ لفظ آیت پیش کردہ میں کن شرائط اور قیود کے ساتھ استعمال ہُوا ہے۔ پھر انہی شرائط و قیود سے مشروط و مقید، اس کا استعمال، کسی جگہ سے پیش کر کے اپنے ادعائے باطل کا ثبوت بہم پہنچاتے۔ لیکن آپنے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ ایک لاطائل و لاحاصل سردردی میں پڑ کر علم کے پردے میں جہالت و بے علمی کا مظاہرہ کرنا کافی سمجھا ہے۔

دائرہ بحث

اِس آیت میں لفظ توفی کے متعلق چار امور صاف طور پر عیاں ہیں۔ (۱) یہ لفظ باب تفعل سے ہے (۲) اس کا فاعل خدا ہے (۳) اس کا محل و مورد (مفعول بہ) ایک انسان کا نام (عیسیٰ علیہ السلام) لیکر بیان کیا گیا ہے (۴) کوئی منام یا لیل وغیرہ کا لفظ ساتھ ذکر نہیں کیا گیا۔ کہ جس سے نیند کے معنوں کا شبہ ہوتا ہو۔

پس مولوی صاحب کی ذمہ واری محدود تھی یعنی ان چاروں شرائط سے مشروط، اس لفظ کی زیادہ نہیں، صرف ایک ہی مثال کہیں سے تلاش کر کے لے آتے۔ مثلاً تَوَفَّی اللّٰہُ زَیْدًا اور اس کے معنے یہ ہوتے کہ اللہ تعالےٰ زید کو زندہ ہی یعنی رُوح اور جسد عنصری سمیت پکڑ کر آسمان پر لے گیا تو پھر بیشک آپکے دعویٰ کو کسی قدر تقویت پہنچ سکتی تھی مگر آپنے اتنی سی تکلیف بھی گوارا نہ کی۔ لیکن میں مولوی صاحب کی مجبوری اور معذوری کا دل سے معترف ہوں، اور انہیں خوش خبری دیتا ہوں۔ کہ اس بے بسی اور معذوری میں وہ منفرد نہیں ہیں بلکہ ان کے بڑے بڑے

178

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مختلف تاویلیں کی گئی ہیں۔ نیز روح المعانی میں ہے۔ ھذا من المقدم والموخر..وھذا احد تاویلات اقتضاھا مخالفۃ ظاھر الایۃ للمشھور المصرح بہ فی الایۃ الاخری (جلد ا صفحہ ۱۵۱) کہ آیت کے ظاہر معنے چونکہ مشہور عقیدہ کے خلاف ہیں اس لئے تاویلیں کی گئی ہیں۔

پس احادیث نبویہ، لغات عربیہ اور مفسرین کی ان کھلی کھلی شہادات کے بعد بھی توفّی کا مأخذ اور اصل لفظ وفاۃ نہ ماننا بلکہ ہر حال میں اس کا مأخذ لفظ وفاء ہی کو تجویز کرنا یقیناً چودھویں صدی کے علماء کی ایجاد ہے۔ اور مطلق توفّی کا اشتقاق لفظ وفاء سے قرار دینا اور "وفاۃ" اس کا مأخذ ہونے سے علی الاطلاق انکار کرنا اُن کی صریح غلطی اور سراسر بے علمی ہے۔

نکتہ چونکہ کسی کو وفات دینا کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہے اس لئے اس مادہ سے جب بھی توفّی کا فعل کسی معین انسان کی نسبت بولا جائیگا۔ تو اُسوقت لازماً اُس کا فاعل خدا ہی ہوگا۔ اور چونکہ خدا انسان کے تمام اجزا میں سے صرف رُوح ہی کو اپنے قبضہ میں کیا کرتا ہے اس لئے جب بھی اس کا فاعل خدا ہوگا۔ لازماً اُسوقت کوئی ذی رُوح بلکہ انسان ہی اس کا مفعول ہوگا جیسے تَوَفَّی اللّٰہُ زَیْدًا۔ کیونکہ باقی جانداروں کی ارواح غیر مقصود ہیں۔ اس لئے خدا انہیں اپنے قبضہ میں کرکے محفوظ نہیں رکھتا (واللہ اعلم) ہاں لفظ وفاء سے جب توفّی کا فعل آئیگا۔ تو اُسوقت مفہوم وفاء کو مدِّ نظر رکھ اِس کا فاعل ہمیشہ انسان اور علی العموم مفعول غیر ذی روح ہوگا۔ جیسے توفیتُ حقی۔ اور اگر کبھی عمومیت کے رنگ میں ذی رُوح مفعول ہوگا بھی تو کوئی زبردست قرینہ وہاں ہوگا جو مجازی معنوں کی تعیین کردیگا۔ یعنی وہاں "پورا پورا لینے" اور "پکڑ لینے" کے معنے نہ ہوسکیں گے۔

اور اگر لفظ وفاء ہی کو اِسکا روٹ[۱] تسلیم کرلیا جائے تو بھی ہمارے مخالفین کا مطلب حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس صورت میں بھی ظاہر ہے کہ لفظ توفّی باب تفعّل سے ہے۔ اور کون نہیں جانتا کہ بعض دفعہ باب کی تبدیلی سے ایک لفظ کے معنوں میں تغیر آجاتا ہے۔ اس لئے دائرہ بحث صرف باب تفعّل ہے۔ ہمیں اس کے باقی ابواب سے قطعاً سروکار نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ بعض الفاظ خاص محاورہ میں آکر خاص معنے اختیار کرلیتے ہیں یعنی

---

[۱] لَفْظاً کَانَ اَوْ تَاْوِیْلاً۔ منہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کسی فعل کے فاعل اور مفعول یا ان میں سے کسی ایک کے تبدیل ہو جانے سے بعض دفعہ معنوں میں بھی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے لغت میں سے قریباً ہر لفظ کے دیکھنے پر کئی مثالیں مل جائینگی علی الخصوص خدا تعالیٰ کے فاعل ہونے اور اس کی طرف منسوب ہونے کی صورت میں تو قریباً تمام افعال اور الفاظ کا وہ مفہوم نہیں رہتا۔ جو کہ انسان یا دیگر چیزوں کے فاعل ہونے یا اُن کی طرف منسوب ہونے کی صورت میں ہوتا ہے مثلاً رحم۔ غضب اور انتقام وغیرہ کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی تو ان کے معنے یقیناً اور قطعاً وہ نہ ہونگے۔ کہ جو انسان کے لئے ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہر ایک کی شان، حیثیت، عادت اور طریق کے مطابق ہی اس کی طرف منسوب شدہ لفظ کے معنے کیئے جا سکتے ہیں۔ پس اس حقیقت مسلّمہ کی بنا پر ہم کہتے ہیں۔ کہ باب تفعّل میں آکر خدا فاعل اور معین انسان مفعول ہونے کی صورت میں توفّی کے معنے ہمیشہ اماتت، قبض رُوح اور وفات دینے کے ہوتے ہیں۔ و الدلیل علیٰ من ادعی خلاف ذٰلك۔

چنانچہ تمام اہل لغت نے محاورہ توفّاہُ اللّٰہُ کو خاص طور پر الگ لکھ کر اس کے خاص معنے کیئے ہیں۔ جیسا کہ لسان العرب۔ تاج العروس۔ قاموس۔ صحاح۔ صراح۔ منتہی الارب وغیرہ کتب لغات کے اوپر درج شدہ حوالجات سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کی جان یا روح کو قبض کرے۔ تو خاص اسی وقت توفّاہُ اللّٰہُ کا محاورہ بولا جاتا ہے۔ وھذا لا یخفیٰ علیٰ من لہ ادنیٰ معرفۃٍ بلسان العرب ÷

پس جب اہل لغت نے محاورہ توفّاہ اللّٰہ یعنی خدا کے فاعل اور کسی انسان کے مفعول ہونے کی صورت میں لفظ توفّی کے ایک خاص معنے کر دیئے ہیں۔ تو اب کسی کا کیا حق ہے۔ کہ وہ توفّاہُ اللّٰہُ کے معنے سوائے قبض روح کے محض اس خیال سے کہ اس کا مادہ وفآء ہے کچھ اور کرتا پھرے کیونکہ لغت کا مدار قیاس پر نہیں رکھا جا سکتا۔ ورنہ تمام امن اُٹھ جائیگا۔ سلامتی کی راہ یہی ہے۔ کہ لُغت کا مدار سماع ہی پر رہنے دیا جائے۔ جیسا کہ علامہ الکمال بن الانباری اور علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں۔ اللغۃ وضعت وضعاً نقلیاً لا عقلیا فلا یجوز القیاس فیھا بل یقتصر علیٰ ما ورد بہ النقل الا تری ان القارورۃ سمیت بذٰلك لا ستقرار الشی فیھا ولا یسمی کل مستقر فیہ قارورۃ وکذٰلك سمیت الدار دارًا لا ستدارتھا ولا یسمی کل مستدیر دارًا (الاقتراح صہ ۳۸ مصنفہ حافظ سیوطی مطبوعہ مجتبائی)

یعنی لغت میں عقلی تک بندیوں سے کام لینا اور قیاس دوڑانا بالکل جائز نہیں کیونکہ لُغت کا انحصار اور مدار محض نقل اور سماع پر ہے۔ مثلاً بوتل اور شیشی کا نام گو اس وجہ سے قارورۃ رکھا گیا ہے۔ کہ اس میں

183

Digitized by Khilafat Library Rabwah

چیز قرار پکڑتی ہے۔ مگر یہ ہرگز جائز نہیں کہ جس چیز میں کوئی دوسری چیز قرار پکڑے ہم اس کا نام قارورہ رکھ دیں۔ اسی طرح "گھر" کو دار اگرچہ اس کے گھرے ہوئے ہونے کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ مگر یہ قطعاً جائز نہیں کہ جس چیز پر استدارت کا مفہوم صادق آجائے اس کا نام بھی دار رکھدیا جائے۔ ایسا ہی علّامہ جوینی، امام غزالی، علّامہ آمدی، اکثر علمائے حنفیہ و شافعیہ، علّامہ ابن حاجب، علّامہ ابن ہمام، اور بہت سے علمائے متأخرین نے کہا ہے۔ اور اسی کو نواب صدیق حسن خاں نے "الحق" لکھا ہے (حصول المامول من علم الاصول صفحہ ۹ مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۲۹۶ھ) بلکہ تمام کتب اصول میں یہ لکھا ہوا موجود ہے کہ لغت محض نقل ہے عقل کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ "ان اللغة نقل محض فلا يدخلها قياس" (حاشیہ علّامہ شیخ حسن العطار علی شرح الجلال المحلی جز اوّل صفحہ ۳۲۴ مطبوعہ مطبع علمیہ ۱۳۱۶ھ)

ہاں یہ بات ماننے کے لائق ہے۔ کہ لغت نویس چونکہ انسان ہیں۔ والانسان مرکب من الخطاء والنسیان۔ اس لئے ہو سکتا ہے۔ کہ ان کو کسی وجہ سے غلطی لگ گئی ہو۔ کیونکہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں۔ خدا کی وحی اور الہام سے نہیں لکھتے۔ بلکہ وہ ان کی اپنی جدوجہد اور اپنے قیاس و اجتہاد کا ثمرہ ہوتا ہے۔ والمجتهد قد يخطئ لیکن ان کی کسی لغوی خطا اور غلطی کو ہم اپنے خیال اور قیاس سے ظاہر کرنے کے ہرگز مجاز نہیں ہیں۔ بلکہ ہمارا فرض ہوگا۔ کہ ہم زبان میں سے کوئی مستند مثال ایسی پیش کریں۔ کہ جس میں ان کے بیان کردہ معنے چسپاں نہ ہو سکتے ہوں۔ پس جب تک اہل لغت کے خلاف ہمارے پاس کوئی ایسا بیّن ثبوت نہ ہو۔ اسوقت تک ہم کو ان کی بات ماننی پڑیگی۔

اب لفظ توفی کی اس تحقیق کے متعلق تین سوال پیدا ہو سکتے ہیں۔ اوّل کیا اہل لغت نے محاورہ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ کو لفظ وفاء کے باقی مشتقات سے الگ کر کے لکھا ہے یا نہیں۔ سو اس کا جواب ہر اہل علم یقیناً اثبات میں دیگا۔

دوم۔ آیا کسی لغت میں تَوَفَّاهُ اللّٰهُ کے معنے سوائے قبض روح کے کوئی اور بھی لکھے ہیں؟ سو اس کا جواب باعلیٰ النداء ہم یہ دیتے ہیں۔ کہ ہرگز نہیں۔

سوم۔ کیا اہل لغت کی اس متفقہ شہادت کے خلاف کوئی ایک بھی ایسی مثال اہل زبان سے مل سکتی ہے۔ کہ جس سے محاورہ توفّاہ اللہ کے معنے سوائے قبض روح کے کوئی اور بھی معلوم ہوتے ہوں۔ سو اس کا جواب بھی ہم اسی طرح بہانگ دہل یہ دیتے ہیں۔ کہ نہیں اور ہرگز نہیں۔

پس یہ تین سوال اور ان کے یہ جواب زیر بحث لفظ توفّی کے اُن معنوں پر جو ہم کرتے ہیں۔ ایک قطعی، یقینی اور ناقابل تردید شہادت ہیں۔ سو اگر ہمارے مخالفین میں کچھ بھی ہمّت و جرأت ہے۔ تو

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مرد میدان بن کران میں سے کسی ایک بات کی تغلیط کر دکھائیں۔ لیکن میں علیٰ وجہ البصیرت، باعلی الصوت یہ اعلان کرتا ہوں۔ کہ وہ قطعاً ایسا نہ کر سکیں گے۔

پس مولوی صاحب کی اِن "علمی" موشگافیوں سے کوئی واقف اور اہل علم دھوکا نہیں کھا سکتا۔ کہ چونکہ توفّی کا مادہ وفاء ہے اور اُس کے معنے ہیں "پورا کرنا"۔ لہٰذا اِس سے یہی مراد ہے کہ کسی شخص کو مع اُس کے جسم، جوتا، عمامہ وغیرہ کے پورے کا پورا اُٹھا لینا۔ کیونکہ یہ لُغت میں قیاس اور اپنی رائے کو داخل کرنا اور اس طرح الفاظ کے معانی سے ہر قسم کا امن اُٹھا دینا ہے۔

ہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ اس صورت میں اِس کے معنے قبض رُوح کے کیونکر قرار دیئے گئے۔ سو اس کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ چونکہ انسان متوفی کی عمر کے دن جو اُسے دنیا میں گذارنے تھے پورے ہو جاتے ہیں اور نیند کی حالت میں اُس کے عقل و فکر سے کام لینے کا وقت پورا ہو جاتا ہے یا موت کی حالت میں روح کو جو زندگی، نفس اور حرکت کا نام ہے پورا لے لیا جاتا ہے اور نیند کی حالت میں نفس ممیّزہ عاقلہ کو پورا لے لیا جاتا ہے۔ اس لئے اِس کے یہ معنے ہو گئے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ ان توجیہات سے اس لفظ کے استعمال اور معنوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے بھی بحوالہ لسان العرب و تاج العروس اوّل الذکر توجیہہ کا ذکر فرمایا ہے حضورؑ لکھتے ہیں:-

"معلوم رہے کہ زبان عرب میں لفظ توفّی صرف موت دینے کو نہیں کہتے - بلکہ طبعی موت دینے کو کہتے ہیں جو بذریعہ قتل و صلیب یا دیگر خارجی عوارض سے نہ ہو..... اسی بنا پر لسان عرب اور تاج العروس میں لکھا ہے توفّی المیّت استیفاء مدتہ التی وفّیت لہ وعدد ایّامہ وشھورہ واَعوامہ فی الدنیا یعنی مرنے والے کی توفّی سے مراد یہ ہے کہ اس کی طبعی زندگی کے تمام دن اور مہینے اور برس پورے کیئے جائیں اور یہ صورت اسی حالت میں ہوتی ہے جب طبعی موت ہو بذریعہ قتل نہ ہو" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم حاشیہ صفحہ ۲۰۱)

یہ درست ہے کہ لغت میں توفّی کے معنے حق کا پورا لینا بھی درج ہیں مگر اوّل تو اُس کا مأخذ وفاء ہے نہ وفاۃ۔ دوسرے وہ محاورہ ہی الگ ہے یعنی تَوَفَّیْتُ مِنْ فُلَانٍ مَالِیْ عَلَیْہِ اِس میں نہ خدا فاعل اور نہ انسان مفعول ہے اور نہ اللہ تعالیٰ اِن معنوں سے انسان کی توفّی کرتا ہے۔ کہ اُس سے اپنا پورا پورا حق لے لے۔ کیونکہ جسد سمیت کسی کو ایک جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

سے جانے سے خدا تعالیٰ کا حق اُس سے پورا پورا وصول نہیں ہو جاتا فافہم۔

اِسی طرح لفظ وفاۃ میں بھی پورا کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ کیونکہ بحسب قاعدہ مبینہ مولوی صاحب یہ لفظ وفا کے ضمن میں مذکور ہے لہٰذا وہی اس کا مادہ و مأخذ قرار پائیگا۔ پس لازماً بقول مولوی صاحب وفا کا مفہوم، وفاۃ میں قائم رہیگا۔ تو کیا جب ہم یہ کہیں کہ فلاں شخص وفاۃ پا گیا تو اس سے یہ مراد لی جائے گی کہ وہ سالم کا سالم کہیں چلا گیا ہے۔ یوں تو ہم عمر بھر جہاں جاتے اور جدھر قدم اُٹھاتے ہیں۔ سالم کے سالم ہی جاتے ہیں۔ ہاتھ یا پاؤں کو الگ نہیں کر جاتے۔ اور نہ اپنے کپڑے جُوتے پھینک کر جاتے ہیں۔ مگر اِس طرح جانے پر کبھی کسی عقلمند نے وفاۃ پانے کا اطلاق نہیں کیا۔ پس دراصل یہ محاورہ ہماری بحث سے خارج ہے ؂

ایک وہم کا ازالہ

اگر یہ وہم ہو۔ کہ اہل لُغت نے یہ کہاں لکھا ہے۔ کہ جب خدا فاعل اور انسان مفعول ہو۔ تو اسوقت توفّی بمعنے اماتت ہی ہوگا۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ محاورہ توفّاہ اللہ کی ہیئت ترکیبی لُغت نویس ہمیشہ ایسی ہی رکھتے ہیں۔ کہ جس میں خدا فاعل اور انسان مفعول ہو۔ اس لئے یہ قاعدہ خود بخود معلوم ہو جاتا ہے۔ لیکن لُغت کی مشہور کتاب اقرب الموارد اور المنجد میں اس کی صراحت بھی موجود ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ "تَوَفَّاہُ اللّٰہُ، أَماتَہٗ تُوُفِّیَ فلانٌ، قبضت روحہ، و مات فاللّٰہ المتوفِّی والعبد المتوفّٰی" کہ محاورہ توفّاہ اللہ اور تُوُفِّیَ فلانٌ کے معنے ہیں۔ خدا نے فلاں شخص کو وفات دی اور فلاں شخص مرگیا۔ پس اللہ تعالیٰ متوفِّی یعنی فعل توفّی کا فاعل اور انسان متوفَّی یعنی فعل توفّی کا محل اور مفعول ہے۔

اسی طرح کلیات ابوالبقا صفحہ ۱۲۹ میں ہے "تُوُفِّیَ علی ما لم یسم فاعلہٗ لان الانسان لا یتوفّی نفسہ فالمتوفِّی ھو اللّٰہ تعالٰی او احد من الملٰئکۃ وزیدٌ ھو المتوفّٰی" کہ چونکہ انسان اپنے نفس کا خود متوفّی نہیں ہو سکتا اس لئے فعل توفّی ماخوذ از وفاۃ کا فاعل کبھی انسان نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ یا (مجازاً) کوئی فرشتہ اس فعل کا فاعل ہوگا اور انسان ہمیشہ، متوفّٰی یعنی محل توفّی یا مفعول ہوگا۔

اس عبارت میں علاوہ مذکورہ امر کے علاّمہ موصوف نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ توفّی میں صرف رُوح لی جاتی ہے۔ جسم نہیں۔ کیونکہ صرف جسم یا جسم مع الروح یعنی زندہ انسان پر تو انسان قابض ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ بھی ظاہر کر دیا۔ کہ لفظ توفّی صرف روح انسانی پر بولا جاتا ہے۔ فتامّل ثم تامّل۔

آسان فیصلہ

ایک اور طرح سے بھی اگر غور کیا جائے۔ تو یہ بحث نہایت ہی آسانی سے ختم ہو سکتی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہے اور وہ اِس طرح کہ ہم مان لیتے ہیں کہ لفظ توفّی کے مفہوم میں کسی چیز کو پورا لینا اور تمام اپنے قبضہ میں کرنا پایا جاتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ جس چیز کو پورا لیتا اور اپنے قبضہ میں کرتا ہے وہ صرف روح ہے۔ پس بیشک وہ اُسے پورا ہی لیتا ہے اور تمام اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے۔ باقی رہا جسم، تو اُس کو لینے کی بھی اگر خدا کی عادت ہوتی تو پھر وہ بے شک اُسے بھی پورا ہی لیتا۔ مثلاً کسی کی لاش کو اپنے قبضہ میں کرنے کا خدا اگر ارادہ کرے تو وہ اُسے پورا ہی لے گا۔ لیکن چونکہ جسم کو لینا خدا تعالیٰ کی عادت اور سُنّت میں داخل نہیں۔ اس لئے جب فعل توفّی کا فاعل خدا تعالیٰ ہوگا تو اس وقت لازماً اس کے معنے رُوح اور جان ہی کو پورا لینے کے ہونگے۔ گو یوں تو ہر وقت ہر چیز خدا ہی کے قبضہ میں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نَحْنُ نَرِثُ الاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا کہ زمین کی سب اشیاء کے ہمیں وارث اور مالک ہیں۔ مگر جن معنوں میں وہ روح کو لیتا اور اپنے قبضہ میں کرتا ہے اُن معنوں میں وہ جسم کو نہیں لیا کرتا اور نہ اپنے قبضہ میں کیا کرتا ہے۔ پس جس چیز کو لینے کی اُس کی عادت اور سُنّت ہے وہ اُسی کو لیتا اور پورا لیتا ہے یعنی رُوح کو۔ یہی وجہ ہے کہ فعل توفّی کا مفعول بہ جب بھی غیر ذی رُوح چیز ہوگی اُس کا فاعل قطعاً خدا نہ ہوگا۔ اور جب بھی فاعل خدا ہوگا اس کا مفعول بہ ہرگز غیر ذی رُوح چیز نہ ہوگی کیونکہ اِس صورت میں ایک مادی اور مرئی چیز کو خدا کا اپنے قبضہ میں کرنا لازم آتا ہے حالانکہ خدا ایسی چیزیں نہیں لیا کرتا۔ چنانچہ کبھی آپ نہ سُنیں گے کہ کوئی اہل زبان یہ محاورہ بولتا ہو۔ تَوَفَّی اللّٰہُ حَجَرًا اَوْ حَدِیْدًا کہ خدا نے پتھر یا لوہا اپنے قبضہ میں کر لیا۔ کیونکہ پتھر اور لوہا بے جان۔ مادی اور مرئی چیزیں ہیں اور ایسی چیزیں خدا اپنے قبضہ میں نہیں کیا کرتا۔ اب ہر دانا کو غور کرنا چاہیئے۔ کہ آخر یہ محاورات کیوں استعمال میں نہیں آتے اِس میں کیا سرّ مخفی ہے جب وہ جسم کو بھی لیتا اور قبضہ میں کرتا ہے تو پھر یہ محاورے کیوں متروک ہیں؟

اِسی طرح چونکہ انسان کے قبضۂ قدرت میں یہ نہیں کہ وہ کسی ذی رُوح چیز کی روح لے کر اپنے قبضہ میں کر سکے اور نہ خدا نے اپنے قانون میں اُسے "قابض الارواح" مقرر کیا ہے۔ اس لئے فعل توفّی کا فاعل جب بھی انسان ہوگا۔ اُس کا مفعول بہ قطعاً کوئی معیّن ذی روح چیز نہ ہوگی۔ اور جب بھی کسی ذی رُوح چیز کا نام لیکر اس کا مفعول ٹھیرایا جائیگا۔ تو اُس کا فاعل ہرگز انسان نہ ہوگا۔ مثلاً زبان عربی میں یوں بالکل نہ کہا جائیگا۔ تَوَفّٰی زَیْدٌ بَکْرًا کہ زید نے بکر کو قبض کر لیا۔ کیونکہ اِس سے انسان کے قابض الارواح ہونے کا شبہ ہوتا ہے حالانکہ وہ محض مادی اور مرئی چیزیں ہی اپنے قبضہ میں کر سکتا ہے نہ ارواح۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو کسی جرم میں پولیس پکڑ کر لے جائے اور اُسے گرفتار کر کے اپنے قبضہ میں

185

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کرلے تو باوجود "پوری پوری گرفت" ہونے کے ایسا ہرگز نہ کہا جائیگا کہ تُوُفِّیَ زَیدٌ، زید قبضہ میں کیا گیا حالانکہ وہ روح مع الجسم بلکہ جُوتے۔ عمامہ۔ اور کپڑوں سمیت قبضہ میں کیا گیا ہے۔ یا مثلاً باپ اپنے خورد سالہ بچہ کو سالم کا سالم اپنے کندھے پر اُٹھا لے جائے تو کیا یہ کہنا جائز ہوگا۔ تَوَفَّی الْوَالِدُ وَلَدَہٗ کہ باپ نے اپنے بچے کو قبضہ میں کیا۔ ہرگز نہیں۔ حالانکہ یہاں آپ کا زعمی قرینہ رفع یعنی اُٹھانا بھی موجود ہے اور اگر کہیں انسان فاعل اور بظاہر ذی روح چیز مفعول ہو تو در اصل وہ مفعول مجازاً ہوگی چنانچہ لازماً وہاں کوئی ایسا قرینہ ہوگا کہ جس سے "پورا پورا لینے" یا "پورا پورا پکڑنے کے" معنے نہ ہوسکیں گے۔ پس اس سے ہر فہیم و ذہین انسان پر یہ امر روشن ہوگیا ہوگا کہ حقیقت میں لفظ توفی کو (ذی رُوح شے کے اس کا مفعول اور خدا فاعل ہونے کی صورت میں) صرف روح ہی سے تعلق ہے۔ جسم سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی۔ کہ مذکورہ بالا محاورات مہجور و غیر مستعمل ہوتے۔

اور بفرض محال اگر خدا تعالیٰ کا کسی انسان کو پورے کا پورا لینا یہی معنے رکھتا ہے۔ کہ وہ جسم اور رُوح دونوں کو لے لے۔ تو پھر بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اُسے زندہ ہی (یعنی روح اور بدن کا تعلق ظاہری جس سے حیاۃ قائم ہے، توڑے بغیر) لے کر اپنے قبضہ میں کرلے۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا۔ کہ وہ روح کو بدن میں سے نکال کر الگ کرلے۔ اور پھر اُسے اپنے قبضہ میں کرلے۔ اور اسی طرح بدن کو الگ طور پر سالم کا سالم ہی لے کر اپنے قبضہ میں کرلے۔ اور حقیقت میں ہوتا بھی یونہی ہے کہ وہ دونوں کو اپنے قبضہ میں کرلیتا ہے۔ ہاں رُوح کو اُس کے مقر (آسمان) میں لے جاتا ہے اور وہاں اپنے قبضہ میں رکھتا ہے اور جسم کو اُس کے اپنے مقر (زمین) میں رکھ کر اپنے قبضہ میں کرلیتا ہے۔

کیا یہ صورت ناممکن ہے۔ اگر نہیں۔ تو پھر آپ کی یہ ضد تو پوری ہوسکتی ہے۔ کہ خدا کے کسی انسان کی توفّی کرنے کے صرف یہی معنے ہوتے ہیں کہ وہ اُس کی رُوح اور جسم دونوں کو اپنے قبضہ میں کرلے مگر ظاہر ہے کہ اِس سے آپ کی حسب منشاء مسیح کے رفع آسمانی اور مزعومہ زندگانی پر استدلال نہیں ہوسکتا۔

ہاں اگر آپ یہی ضد کریں۔ کہ ضرور آسمان ہی پر دونوں چیزوں کو لے جانا مراد ہے۔ کیونکہ ساتھ رفع بھی مذکور ہے تو آپ کی یہ خواہش بھی پوری ہوسکتی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ ہم مان لیتے ہیں۔ کہ خدا دونوں کو آسمان پر لے گیا ہوگا۔ مگر الگ الگ، یہ کیا ضرور ہے۔ کہ روح کو اِسی طرح بدن ہی میں رہنے دے اور پھر دونوں کو اُٹھا لے جائے کیونکہ تَوَفَّیْتَنِیْ مِنْہُ دَرَ (ھمی میں یہ ضروری نہیں۔ کہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

دراہم جس صورت اور ہیئت میں ہوں۔ اُسی میں انہیں لیا جائے اور کہ وہ اکٹھے ہی لئے جائیں۔ بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تھوڑے تھوڑے کر کے اُٹھائے جائیں اور اُن کی موجودہ ہیئت بدلا کر اپنے قبضہ میں کر لئے جائیں۔ سو اگر آپ منظور کریں تو اس پر ہم اتفاق کر سکتے ہیں۔ گو مَیں یقین رکھتا ہوں۔ کہ توفّی کی تحقیق بالا سے وہ تمام شبہات کہ جن میں ہمارے مخالف گرفتار ہیں کلیۃً دُور ہو جاتے ہیں۔ لیکن بعض ناظرین کرام کی خاطر مولوی صاحب کے پیش کردہ چند اوہام کا ازالہ بالتصریح بھی کئے دیتا ہوں۔ واللہ الموفق۔

مولوی صاحب کے چند اوہام کا ازالہ

قولہ:۔ "پس توفّی۔ سے باب تفعّل ہے۔ اِسی مادہ وفاء سے اِس کے معنے ہوئے "اَخْذُ الشَّیْءِ وَافِیًا"، یعنی کسی چیز کو پورا پورا لے لینا۔" (شہادۃ القرآن حصہ اوّل ص۱۰۲ مطبوعہ ستمبر ۱۹۲۶ء)

اقول:۔ اولاً زیر بحث فعل توفّی کا وفا سے مأخوذ ہونا غیر مسلّم ہے کما ثبت فی محلّہٖ۔

ثانیاً۔ جب کہ محاورہ توفّاہ اللّٰہ کو تمام اہل لُغت نے خاص طور پر الگ لکھ کر اُس کے ایک معنے کر دیئے ہیں۔ یعنی قبض روح، تو اب قیاسات باطلہ سے لُغت کو ردّ نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں آپ کسی لُغت سے محاورہ توفّاہ اللّٰہ کے معنے "اخذہ اللّٰہ وافیاً" ای مع الجسم ثابت کر دیں۔ تب آپ کی بات قابل غور ہو سکتی ہے۔

ثالثاً۔ "اخذ الشیءٔ وافیاً" میں "الشیءٔ" سے مراد جب کہ فاعل خدا اور انسان مفعول بہٖ ہو۔ روح لی جائے گی۔ فلا اشکال۔

رابعاً:۔ آپ بحوالہ بیضاوی لکھ چکے ہیں۔ التوفی ۔ اخذ الشیءٔ وافیاً والموت نوع منہ ص۱۱۲ اور آپ خود بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ "موت بھی ایک قسم کی توفّی یعنی پوری پوری گرفت ہوتی ہے" (ص۱۱۱) پس جبکہ موت پر بھی اخذ الشیءٔ وافیاً صادق آتا ہے۔ حالانکہ موت میں صرف روح اور جان ہی خدا اپنے قبضہ میں کیا کرتا ہے۔ اور جسم کو بالکل بیکار چھوڑ دیتا ہے۔ تو اب اعتراض اور استدلال کیسا؟ اور چونکہ فعل توفّی جب مسند ہو اللہ تعالیٰ کی طرف اور مفعول بہٖ اُس کا انسان اور ساتھ لیل منام وغیرہ کا کوئی قرینہ بھی نہ ہو۔ تو اُس وقت یہ بمعنے موت ہی مستعمل ہوتا ہے۔ لاغیر، اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ الموت نوعٌ منہ کیونکہ مطلقاً توفّی کے معنے موت ہم بھی تسلیم نہیں کرتے۔ ہاں آپ کے نزدیک چونکہ نیند میں بھی "پوری پوری گرفت ہوتی ہے" ص۱۱۲ اس لئے توفّی کی ایک نوع نوم ہو گی اور دوسری موت۔ تدبّر۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

خامساً۔ توفّی بمعنے موت میں بھی تو قبض روح تام یعنی "پوری پوری گرفت ہوتی ہے" اِس لئے فیمسك التی قضٰی علیها الموت کا مضمون اُس پر صادق آتا ہے۔ ہاں البتہ نومہ میں قبض ناقص ہوتا ہے۔ کیونکہ رُوح بدن سے بالکل ہی خارج نہیں ہوجاتی۔ نیز: یرسل الاخریٰ اُسی کے حق میں وارد ہے۔ پس باعتبار منام کے موت میں قبض تام ہی ہے۔ فافہم۔

قولہ:۔ "جس طرح مادہ کے حروف ہر صیغہ میں باقی رہتے ہیں۔ اسی طرح مادہ کے معنے بھی ہر باب و صیغہ میں باقی رہتے ہیں" صـ۱۰۲

اقول:۔ اوّلاً۔ اگر مادہ سے مراد مأخذ ہے تو زیر بحث توفّی کا مأخذ وفاۃ ہے۔ جس کے معنے اس میں بعینہٖ موجود ہیں۔ فلا اعتراض ثانیاً:۔ اگر مادہ سے مراد مادہ ہی ہے نہ مأخذ تو اس ایجاد کردہ قاعدہ کے لئے ثبوت پیش کریں۔ مولٰنا! اگر یہ درست ہے تو پھر مندرجہ ذیل کلمات کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے۔ (۱) جَرَبٌ (کھجلی یا زنگار) سے جب جرّب (باب تفعیل) بنایا جائے اس کے معنے ہونگے۔ اختبرہ امتحن یعنی امتحان لیا (۲) کَلْمٌ (زخم) سے جب کلّمہ (باب تفعیل) اور تکلّمہ (باب تفعّل) بنایا جائے۔ تو اس کے معنے حدّث اور تحدّث (یعنی بیان کیا اور بات کی) ہونگے (۳) بَرْکٌ (سینہ یا اونٹوں کا گلہ) سے جب تبرّک (باب تفعّل) بنایا جائے تو اس کے معنے ہونگے۔ تیمّن یعنی مبارک ہوا۔

ثالثاً۔ اگر آپ کی خاطر یہ مان بھی لیا جائے۔ کہ ہر مادہ کے معنے بعینہٖ اس کے ہر صیغے اور ہر باب میں قائم رہتے ہیں اور کہ توفّی کا مادہ وفاء ہی ہے تو پھر بھی کوئی اُلجھن نہیں۔ کیونکہ موت میں بھی جیسا کہ آپ کو مسلّم ہے۔ "پوری پوری گرفت" ہوتی ہے یا اس طرح کہ وفاء کے معنے "پورا کرنا" اور توفّی کے معنے ہیں "عمر کو پورا کرنا" جسے دوسرے لفظوں میں موت یا قبض رُوح کہتے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ اس میں مادہ کے حروف کے علاوہ اس کے معنے بھی ملحوظ ہیں۔ مگر اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا۔ کہ توفّی کے معنے موت، اصلی اور حقیقی نہیں کیونکہ اگر حقیقت اور مجاز کا یہ معیار قائم کیا جائے تو پھر تمام وہ اسماء جن میں وجہ تسمیہ مدِّ نظر ہوتی ہے (اور عربی زبان میں بالخصوص یہ بات پائی جاتی ہے) اور اکثر مشتقات مجاز قرار پائیں گے۔

مَیں سمجھتا ہوں۔ کہ اسی ایک بات سے توفّی کی بحث ختم ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اس میں مولوی صاحب کی "علمی تحقیق" بھی بحال رہی ہے۔ اور توفّی کے معنے موت بھی حقیقی ثابت ہوگئے ہیں فنعم الوفاق

رابعاً۔ اگر آپ علم تصریف اور اشتقاق پر نظر غائر ڈالتے تو یقیناً اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوتے یا حق پسندی سے کام لیتے تو اس مغالطہ دہی کا ارتکاب نہ کرتے۔ مَیں قارئین کرام کی آسانی کیلئے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مسئلہ اشتقاق کا بیان مختصراً کیئے دیتا ہوں :-

مسئلہ اشتقاق

اشتقاق کہتے ہیں ایک لفظ کا دوسرے لفظ سے نکلنا۔ بادنی تغیر بشرطیکہ ان کے حروف اور معنوں میں مناسبت ہو۔ اور اس کی تین قسمیں ہیں:-

(۱) کسی لفظ کا مصدر کے اصل حروف "مرتبۃً" اور معنوں کے ساتھ مع زیادۃ موافق ہونا اسے اشتقاق صغیر یا اصغر کہتے ہیں۔ جیسے ضَرْبٌ سے ضَرَبَ وضَارِبٌ۔ اس میں مشتق منہ مصدر ہے اور ضَرَبَ ضَارِبٌ مشتق (۲) حروف اصلیہ میں بغیر ترتیب کے دو لفظوں کی موافقت اور معنوں میں موافقت یا مناسبت کا ہونا۔ اس کا نام اشتقاق کبیر یا صغیر یا اوسط ہے۔ جیسے جذب وجبذ (۳) حروف اصلیہ اور معنوں میں دو لفظوں کی مناسبت کا نام اشتقاق ہے۔ اور یہ اشتقاق اکبر کے نام سے موسوم ہے۔ جیسے ثلب۔ ثلم اور نعیق و نهیق اور حروف اصلی سے مراد وہ حروف ہیں۔ جو فَ عَ لَ کے مقابلے میں ہوں۔ زوائد کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ جیسے سبقٌ سے استباقٌ اور دخول سے دخل کا اشتقاق ہے اوّل الذکر مثال میں مشتق یعنی استباق میں زائد حروف ہیں۔ اور ثانی الذکر میں مشتق منہ یعنی دخول میں زائد حرف ہے۔ الاشتقاق اصطلاحًا يقال على امور احدها موافقة غير مصدر له في الحروف الاصول مرتبة وفي المعنى مع زيادة فيه على المصدر كضرب وضارب ثانيها موافقة لفظين في الحروف الاصول غير مرتبة مع موافقة او مناسبة في المعنى ثالثها مناسبة لفظين في الحروف الاصول والمعنى (التقرير والتحبير جلد ۱ ص۸۹)

تنبیہ یہ بیان بصریوں کے مسلک کے مطابق ہے اور کوفیوں کی رائے میں اشتقاق میں اصل اور ماخذ فعل ہوتا ہے۔ ان الكوفيين يقولون بان المصادر والصفات مشتقة من الافعال (نهاية ص۱۶۲) (تفصیل کے لئے دیکھیں تقریر والتحبیر جلد ۱ و دیگر کتاب اصول و صرف) جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ اشتقاق اوسط اور اکبر کے لحاظ سے مشتق اور مشتق منہ میں صرف کسی معنوی مناسبت کا ہونا کافی ہے[1] مشتق منہ کے معنے بعینہٖ مشتق میں پائے جاتے ضروری نہیں۔ اور اگر اشتقاق[2] اصغر ہی کو

[1] نہایت السول میں ہے کہ سب سے زیادہ مشہور تعریف اشتقاق کی یہی ہے کہ دو لفظوں کے معنوں اور ان کی ترکیب میں کوئی نہ کوئی مناسبت پائی جائے۔ اشهرها حد الميداني ونقله الامام عنه فقال هو ان تجد بين اللفظين تناسبا في المعنى والتركيب فترد احدهما الى الآخر (نهاية السول في شرح منهاج الوصول جلد ۱ برحاشيه تقریر و تحبیر ص۱۶۲) اور مناسبت فی المعنی سے مراد یہ ہے کہ دونوں لفظوں کے معنوں اور مدلولوں میں تباین نہ ہو۔ نہایۃ السول ص۱۶۳

[2] کتاب المزھر للسیوطی میں ہے الاشتقاق اخذ صيغة من اخرى مع اتفاقهما معنى ومادة اصلية وهيئة تركيب لها ... جلد ۱ ص۱۴۶ تتكلف فيه منه

87

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جید علماء اور فضلاء بھی اس میدان میں ناکارہ ہو کر دم توڑ چکے ہیں۔ مثلاً شیخ الکل مولوی نذیر حسین دہلوی، مولوی محمد حسین بٹالوی، مولوی محمد بشیر سہسوانی، پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور مولوی محمد سلیمان مصنف رحمۃ للعالمین وغیرہ۔

گو مولوی صاحب کی ساری "علمی تحقیق" کا جواب اتنا ہی کافی تھا۔ لیکن بعض ناواقف اور سادہ لوح اصحاب کی خاطر اس لفظ کی بحث قدرے تفصیل کے ساتھ کردینا مناسب سمجھتا ہوں۔ و باللّٰہ التوفیق ؞

لفظ توفّی اور کتب لغات عربیہ

مولوی صاحب لکھتے ہیں، "آسان طریق جو جلدی راہ راست پر لادے وہ یہ ہے کہ توفی کو کتب لغت سے تلاش کرو۔ اگر یہ لفظ وفا کے ضمن میں مذکور ہو۔ تو اسے وفا سے ماخوذ سمجھو ورنہ نہیں۔ اور پھر جملہ تعریفات وفا پر نظر کرو تو صاف معلوم ہو جائیگا۔ کہ اس کے معنے "پورا کرنے" کے ہیں" (شہادت القرآن حصہ اوّل مطبوعہ ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۲۳)

جہلاء تو شائد مولوی صاحب کے اس "آسان طریق" کو پڑھ کر آپ کی "علمیت" کے قائل ہو جائیں۔ مگر اصحاب علم و فہم کی نظر میں اس "آسان طریق" سے آپ کی لیاقت و قابلیت علمی کی حقیقت بھی بآسانی کھل گئی۔ کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ کتب لغت میں کسی کلمہ کے ایک لفظ کے ضمن میں مذکور ہونے سے قطعاً یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا مأخذ بھی وہی لفظ ہو۔ مثلاً اگر آپ لفظ تجنّی (بمعنی ارتکاب ذنب) کو کتب لغت سے تلاش کریں۔ تو اسے جنی کے ضمن میں مذکور پائینگے۔ مگر کوئی بھی اہل علم اس کا مأخذ اور مشتق منہ، جنی نہ کہیگا کیونکہ جنیٰ کے معنے ہیں "درخت سے پھل توڑنا" بلکہ ہر صاحبِ فہم کے نزدیک اس کا مأخذ اور مصدر جنایۃ ہے

اسی طرح لفظ استحیا بمعنے احتشام، انقباض و امتناع (رکنا)، حيي کی ذیل میں ملیگا۔ حالانکہ یہ اس کا مأخذ نہیں ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یا مثلاً تکلّم بمعنے تحدُّث (بات کرنا)، کَلْمٌ بمعنے جرح (زخم)، کے ضمن میں مذکور ہے مگر اس کا مأخذ یہ نہیں ہے۔ اور شَجُعَ بمعنے دلیر اور جرأت والا ہوا شَجِعَ (لمبا ہونا) شَجَعَ (دلیری میں دوسرے سے بڑھنا) کے ضمن میں ملیگا مگر اس کا مأخذ اور مصدر لفظ شجاعۃ ہے۔ اسی طرح جَرَّبَ بمعنے اختبر و امتحن (آزمایا) جَرِبَ (خارش، زنگار) کے ذیل میں ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اس کا مأخذ تجربۃ ہے۔ ایسا ہی تَبَرُّكٌ بمعنے تَیَمُّنٌ (مبارک ہونا) بَرْكٌ (سینہ، اونٹوں کا گلہ) کے ضمن میں مذکور ہے مگر اس کا مشتق منہ اور مصدر برک ہرگز نہیں۔

مولٰنا! یہ لازمی اور ضروری نہیں، کہ کسی کلمہ کا جو مادہ ہو ہمیشہ وہی اس کا مأخذ، مشتق منہ اور مصدر بھی ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کا مادہ اور مأخذ دو الگ لفظ ہوں چنانچہ آپ کو بے شمار ایسے کلمات ملینگے جو کتب لغت میں ایک مادہ سہ حرفی کے ماتحت مذکور ہونگے مگر بوجہ ان کے مأخذ اور مصدر جدا جدا ہونے کے، ان کے معانی جدا جدا ہونگے پس یہ کہنا تو صحیح ہے کہ کسی فعل کے ہر باب اور ہر صیغہ کا مادہ ایک

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ملحوظ رکھا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس میں بھی صرف یہی شرط مذکور ہے۔ کہ مشتق میں مصدر کے معنے پائے جانے ضروری ہیں۔ نہ کہ مادہ کے۔ پس .... "متوفی" اور "توفّیت" کا جو مصدر ہے۔ اس کے معنے ان میں پائے جانے ضروری ہیں۔ نہ کہ وفیٰ کے معنے۔ کیونکہ ان کا مصدر یہ نہیں ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے "مادہ وفی سے جو جو باب زبان عرب میں مستعمل ہیں۔ ان سب کا جو نقشہ" پیش کیا ہے۔ اس کے ایک خانہ میں لکھا ہے "مادہ وفا سے مصدر" جس سے ظاہر ہے۔ کہ وہ بھی مادہ اور مصدر میں فرق سمجھتے ہیں۔ پس یا تو مولوی صاحب یہ ثابت کریں۔ کہ متوفّی اور توفّیت کا مصدر وفا ہے اور یا یہ تسلیم کریں۔ کہ کسی کلمہ کا مادہ ہی اس کا مصدر ہوتا ہے۔ اور پھر یہ ثابت کریں۔ کہ مادہ کے معنے بعینہ مشتق میں باقی رہتے ہیں۔ اس امر کا مزید ثبوت کہ ماُخذ اور مشتق منہ ہمیشہ مادہ ہی نہیں ہوتا۔ یہ بھی ہے۔ کہ اشتقاق کی ہر قسم میں ماُخذ کے اصلی حروف کا پایا جانا مذکور ہے۔ حالانکہ اگر ماُخذ اور مصدر سے مراد مادہ ہی تھا۔ تو پھر حروف کے ساتھ اصلی کی قید لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ مادہ میں زائد حروف ہوتے ہی نہیں۔ اس کے سب حروف اصلی ہی ہوتے ہیں۔ پس صاف ظاہر ہے۔ کہ مشتق منہ، ماُخذ اور مصدر سے مراد ہمیشہ مادہ نہیں ہوتا چنانچہ یہی وجہ ہے۔ کہ بعض ایسے الفاظ کو ماُخذ قرار دیا گیا ہے جو قطعاً مادہ نہیں ہیں۔ مثلاً اَعْرَقَ "(عراق میں آیا) کا ماُخذ عراق، نصّرَ (اس نے عیسائی بنایا) اور تنصّرَ (وہ نصرانی بن گیا) کا ماُخذ نصرانی ہے۔ تکوّفَ (کوفی بنا) کا ماُخذ کوفہ ہے۔ توسّدَ الحجر (پتھر کو تکیہ بنایا) کا ماُخذ وسادۃ صبّبَ کا ماُخذ صبابۃ ہے۔ اور رجع کا الرُّجعی وغیرہ

اس سے اظہر من الشمس ہے۔ کہ کسی مشتق میں مشتق منہ اور ماُخذ کے معنے پائے جانے ضروری ہیں نہ کہ مادہ کے، اور میں بفضلہ تعالیٰ ثابت کر چکا ہوں۔ کہ توفّی کا ماُخذ اور مشتق منہ لفظ وفاۃ ہے۔ نہ کہ وفا اور وفاۃ کے معنے اور اس کے اصلی حروف توفّی میں موجود ہیں۔ پس مولوی صاحب کی ساری "علمی تحقیق" باطل ہو گئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ ٭

قولہٗ۔ "توفّی بمعنے موت مجازاً ہے نہ حقیقۃً ووضعاً" ص ۱۰۹

اقول۔ اوّلاً۔ ہمیں لُغوی یا اصطلاحی حقیقت و مجاز میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہمارا تو صرف یہ دعویٰ ہے کہ فعل توفّی کا فاعل جب خدا تعالیٰ ہو۔ اور مفعول بہ زید یا بکر ہو۔ اور کوئی منام یا لیل وغیرہ کا قرینہ نیند کے معنوں کی تعیین کے لئے مذکور نہ ہو۔ تو اس صورت میں اس کے معنے محض اور محض اماتت یعنی طبعی طور پر وفات دینے کے ہونگے لاغیر۔ اب آپ خواہ اسے توفّی بمعنے موت مجازاً

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کہکر خوش ہولیں خواہ معنے کنائی تصوّر کرلیں۔ بہرحال ان شرائط و قیود کے ہوتے ہوئے یہ لفظ کبھی بھی سوائے معنی موت کے زبان عربی میں استعمال نہیں ہُوا[له]۔

پس اگر آپ میں ذرہ بھی دم خم باقی ہے۔ تو مرد میدان بنئے اور کوئی ایک ہی مثال ہمارے خلاف لے آئیے اور اِس طرح دنیا بھر کے علما، فضلا، اور اُدبا کی شکست، ناکامی اور بےچارگی کے مقابلہ میں اپنی فتح کا نقارہ بجائیے۔ ورنہ یونہی حقیقت و مجاز کی بحث میں پڑکر قلم گھسانے کا کیا فائدہ۔

ثانیاً۔ مقلّداً للبعض آپ لکھ چکے ہیں کہ "مجاز بولنا تب ہی درست ہے جب حقیقی معنے متروک نہ ہوں" (صفحہ ۱۳۲) پس آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنے بیان کردہ "حقیقی معنوں" میں اس کا استعمال ثابت کریں۔ ورنہ توفّی بمعنے موت کو مجاز کہنا "درست" نہ ہوگا۔

مولوی صاحب! آپ ہماری طرف سے مجاز ہیں۔ کہ اس کو مجازی کہکر دل خوش کرلیں۔ مگر جو اصلیّت اور حقیقت ہے۔ وہ اس طرح بھی چھپی نہیں رہیگی۔ اِلّا عَلٰی مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ۔

ثالثاً۔ مولٰنا یہ مسئلہ بھی مصرح ہے۔ کہ کبھی مجاز کثرت استعمال کی وجہ سے حقیقت ہوجاتا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے وَالْمَجَازُ اِذَا اَكْثَرَ اسْتِعْمَالُهٗ صَارَ حَقِيْقَةً (توضیح تلویح مصری جلد ا صفحہ ۲۹۶) (المزھر جلد ا صفحہ ۱۸۶) اور یہاں تو "کثرت" چھوڑ "کُل" ہی موجود ہے یعنی یہ لفظ بلا استثنا ہمیشہ انہیں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ ایک مثال بھی اس کے خلاف نہیں مل سکتی۔ تو اب اگر اسے بھی حقیقت کہدیا

له مولوی محمد ادریس صاحب دیوبندی نے یہی لکھا ہے اور مجاز ہونے سے انکار کیا ہے (کلمۃ اللہ صفحہ ...) منہ

۲ه بعض قلیل الفہم لوگ قرآن مجید کی بعض آیات مثلاً تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اور حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ میں یہ دیکھ کر کہ ان میں فعل توفّی کا فاعل خدا نہیں ہے۔ مگر معنے پھر بھی قبض روح کے ہیں۔ خوش فہمی سے یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ہمارا یہ قاعدہ کہ جب فعل توفّی کا فاعل خدا ہو۔ اس کے معنے ہمیشہ قبض رُوح کے ہوتے ہیں باطل ہوگیا۔ حالانکہ اوّل تو ہمارا اصل دعویٰ یہ ہرگز نہیں۔ کہ جب غیر اللہ فاعل ہو۔ تو پھر توفّی بمعنے قبض رُوح کبھی بھی نہیں آتا۔ بلکہ ہمارا دعویٰ صرف یہ ہے کہ خدا کے فاعل ہونے کی صورت میں اس کے معنے یقیناً اور دائماً قبض روح کے ہوتے ہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کوئی کہے کُلُّ اِنْسَانٍ حَيَوَانٌ۔ اب یہ تو درست ہے کہ ہر انسان حیوان ہے۔ مگر اسکا عکس درست نہیں کہ ہر حیوان بھی انسان ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ملائکہ اور الموت کو فاعل ٹھیرانا دراصل مجازاً ہے۔ حقیقۃً فاعل خدا ہی ہے کیونکہ ملائکۃ الموت کو اسی نے قبض ارواح کا امر تفویض فرمایا ہے۔ اور الموت بحذف المضاف ہے یعنی اصل میں ملٰئکۃ الموت ہے کما فی قولہ تعالیٰ جَآءَ رَبُّكَ ای اَمْرُهٗ و حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ای اکلھا۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ ای نکاحھا۔ تیسرا جواب یہ ہے۔ کہ یہاں مفعول بہ، علم نہیں یعنی کسی انسان کا نام لیکر اسے مورد توفّی نہیں ٹھیرایا گیا جیسا کہ زیر بحث دونوں آیتوں میں ہے۔ فافہم۔ منہ

188

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جائے۔ تو کونسا حرج واقع ہو جاتا ہے۔

رابعاً حقیقت ومجاز کی علامہ ابو البقاء نے یہ تعریف کی ہے۔ "کل لفظ اذا استعمل فیما هو موضوع له فهو حقيقة كاملة وفيما هو جزء من موضوعه فهو حقيقة قاصرة وفيما هو خارج عن موضوعه فهو مجاز"۔ (کلیات صفحہ ۱۴۵) اس تعریف کے رُو سے یہ ضروری نہیں کہ ایک لفظ اپنے تمام وضعی معنوں میں استعمال ہو۔ تو تب اسے حقیقت کہا جائے۔ بلکہ اگر وضعی معنوں کے ایک جزء میں بھی مستعمل ہو۔ تو بھی اسے حقیقت ہی کہا جائیگا۔ گو پہلی صورت میں حقیقت کاملہ اور دوسری صورت میں حقیقت قاصرہ کے نام سے موسوم ہوگا۔ پس مانا کہ لفظ توفّی کے وضعی معنے اَخْذُ الشَّیْءِ وافیاً ہیں۔ لیکن اگر کسی ایک جزء کے لے لینے پر اس کا اطلاق ہو مثلاً صرف روح کے قبض کرنے پر تو بھی یہ حقیقت ہی کہلائیگا۔ کیونکہ مجاز صرف اسی صورت میں کہلا سکتا ہے۔ کہ جب وضعی معنوں سے بالکل خارج معنوں میں استعمال ہو۔ جیسے اسد بمعنے شجاع مجاز ہے کیونکہ اس کے وضعی معنے "حیوان مفترس" ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ شجاع حیوان مفترس کا جزء نہیں ہے۔ لیکن انسان کی رُوح کو "لے لینا" (اور وہ بھی پورا پورا) یقیناً توفّی کے وضعی معنوں "پورا پورا لے لینے" کا جزء ہے۔ پس توفّی بمعنے موت مجاز نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ وھو المدعی۔

حقیقت ومجاز

خامساً۔ حقیقت ومجاز سے متعلق تمام ابحاث پر اگر آپ نظر ڈال لیتے تو یقیناً ایسا لکھنے میں احتیاط کرتے۔ نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں۔ "اللفظ الواحد للمعنى المتعدد فان وضع لكل فمشترك والا فان اشتهر في الثاني فمنقول ينسب الى ناقله والا فحقيقة ومجاز" کہ ایک لفظ کے اگر کئی معنے ہوں اور ان میں سے ہر ایک کے لئے وہ موضوع ہو۔ تو اسے مشترک۔ اور اگر دوسرے معنوں میں مشہور ہو گیا ہو۔ تو منقول ورنہ حقیقت ومجاز کہتے ہیں (حصول المامول صفحہ ۱۰ و ۱۱)

اس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ حقیقت وہ لفظ ہے۔ جو اپنے ابتدائی وضعی معنوں میں مستعمل ہو۔ اور اس کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) حقیقت لغویہ جبکہ اہل لغت واضع ہوں (باصطلاح او توقیف) جیسے حیوان مفترس کے لئے اسد کا لفظ (۲) حقیقت عرفیہ خاصہ جب کوئی خاص جماعت واضع ہو۔ جیسے کلمہ بمعنے لفظ مفرد اہل نحو کی اصطلاح میں (۳) حقیقت عرفیہ عامہ۔ جب واضع عرف عام ہو۔ جیسے لفظ دابہ چوپایہ کے معنوں میں گو اس کے لغوی معنے ہیں ہر وہ چیز جو زمین پر رینگنے والی ہو (۴) حقیقت شرعیہ۔ جب واضع شریعت ہو۔ جیسے صلوٰۃ بمعنے عبادۃ مخصوصہ۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اگر وہ اپنے ثانوی معنوں میں استعمال ہو۔ تو اسے مجاز کہتے ہیں اور مجاز در اصل حقائق اربعہ میں سے ہر ایک حقیقت کے مقابل میں ہے۔ پس مجاز کی بھی چار قسمیں ہوئیں۔ (۱) مجاز لغوی (۲) مجاز عرفی خاص (۳) مجاز عرفی عام (۴) مجاز شرعی (دیکھو کتب بیان و اصول) اب اس تفصیل کو مدِنظر رکھ کر یہ سمجھنا آسان ہے۔ کہ ایک لفظ سے حقیقت لغویہ یا کسی اور حقیقت کی نفی سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ اسے کسی بھی حقیقت کا نام نہ دیا جائے۔ بلکہ ہو سکتا ہے۔ کہ وہ حقیقت لغویہ نہ ہو۔ مگر حقیقت عرفیہ کی دونوں قسموں میں سے کوئی یا حقیقت شرعیہ ہو۔ مثلاً دابہ بمعنے گھوڑا، گدھا وغیرہ گو حقیقت لغویہ نہیں ہے۔ مگر حقیقت عرفیہ ضرور ہے۔ پس اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ آپ توفّی بمعنے موت کو مجاز لغوی سمجھ لیں۔ لیکن عرف عام اور خاص کے لحاظ سے یہ حقیقت ہے۔ یعنی خدا اور اس کے رسولؐ نے اسے ہمیشہ ہی موت کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اسی طرح صحابہؓ تابعینؒ، تبع تابعین اور دوسرے تمام اہل لغت نے انہی معنوں میں بولا ہے۔ پس اس سے ظاہر ہے۔ کہ آیات زیر بحث میں توفّی بمعنے موت حقیقۃً ہی مستعمل ہے۔ کیونکہ خدا کے کلام میں دائماً یہی معنے ہوتے ہیں۔ ہاں منام وغیرہ قرینہ سے اس کے مجازی معنے نیند بھی ہو سکتے ہیں۔

اب اگر یہ سوال پیدا ہو کہ حقیقت لغویہ پر حقیقت عرفیہ کو کیوں ترجیح دی جائے تو اس کا جواب بھی کتب اصول میں موجود ہے چنانچہ لکھا ہے۔ کہ جب ایک لفظ کے معنے عرفی اور لغوی دونوں ہوں تو اسے عرفی معنوں پر محمول کیا جائیگا۔ ان ماله معنی عرفی عام و معنی لغوی یحمل اولا على العرف العام (شرح الجلال المحلی جلد ۱ ص ۲۸۹)

189 سادسًا۔ میں مان لیتا ہوں کہ توفّی کے معنے حقیقی پورا پورا لینا ہوں گے لیکن معلوم ہے کہ کسی لفظ کے حقیقی معنے مراد نہ لینے کے لئے جس قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کی چار قسمیں ہیں:۔ (۱) عقلیہ (۲) حسیہ (۳) عادیہ (۴) شرعیہ۔ ثم القرينة المانعة من ارادة المعنى الحقيقي قد تكون عقلية وقد تكون حسية وقد تكون عادية وقد تكون شرعية (حصول المأمول ص ۱۱) اور بحر العلوم میں ہے کہ کبھی حقیقت، امتناع عقلی کی وجہ سے متروک ہوتی ہے جیسے کوئی اپنے سے بڑی عمر والے کو بیٹا کہے اور کبھی امتناع عادی کے سبب یعنی اگرچہ اس کے پائے جانے کا امکان عقلی ہو لیکن چونکہ عادتاً ناممکن الوقوع ہوتی ہے اس لئے اس کا ترک ضروری ہوتا ہے جیسے کوئی کہے "میں یہ ساری رکابی کھا جاؤنگا اور اس دیگچی سے کچھ نہیں کھاؤنگا" تو گو رکابی اور دیگچی کا کھا لینا عقلاً ممکن ہو لیکن چونکہ ان کا کھانا عادۃً محال ہے اس لئے لازماً ان سے مراد وہ چیز لی جائیگی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جو اُن کے اندر ہے۔ اور کبھی حقیقت متعسر اور مشکل ہونے کی وجہ سے مہجور ہوتی ہے۔ جیسے کوئی کہے "میں اس درخت سے کچھ نہیں کھاؤنگا"، تو چونکہ بعینہٖ درخت کا کھانا مشکل ہے اس لئے مراد اس کا پھل یا قیمت لی جائیگی۔ اور کبھی عادۃً مہجور ہونے کے باعث چھوڑ دی جاتی ہے اگرچہ اس کا وقوع سہل ہو۔ جیسے کہا جائے "میں اس آٹے سے کچھ نہیں کھاؤنگا"، تو آٹے سے مراد روٹی وغیرہ ہوگی نہ کہ بعینہٖ آٹا۔

الحقیقۃ تترک لتعذرہا عقلا کما أنت ابنی لِاکبر سنا او لتعذرہا عادۃً وان جاز عقلاً کلا یأکُلُ مِنْ ھٰذَا القِدْرِ فانہ محال فی العادۃ فِلمَا یحلّھا او تترک لتعسرہا وان لم یکن متعذرا کلا یأکل من الشجرۃ فانّ اکلَ عینِ الشجرۃِ متعسّرٌ فِلمَا یخرج منہ ماکولا کالثمر وان لم یوکل شیءٌ منہ فعلیٰ ثمنہ او تترک لہجرہا عادۃً وان سہل کلا یأکل من الدقیق فلمَا الدقیق متخذ لہ ای لاجلہ کالخبز وغیرہ (شرح مسلم الثبوت لبحر العلوم، المقالۃ الثالثۃ صـ۱۱۸ مطبوعہ نولکشور) پس اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ کسی بشر کو خدا تعالیٰ کا (مع جسدہ العنصری) "پورا پورا پکڑ لینا" اور اپنے قبضہ میں کر لینا چونکہ غیر معقول اور محال عادی ہے، اس لئے جب بھی فعل توفّی کا فاعل خدا تعالیٰ اور بشر مفعول ہوگا۔ قطعاً یہ "حقیقی اور وضعی معنے" مراد نہ ہونگے۔ کیونکہ یہ معنے عادۃً، محال، ناممکن الوقوع، ممتنع، متعسر اور مہجور ہیں۔ فافہم۔

سابعاً۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ یہ لفظ ابتداءً اور وضعاً انہیں معنوں میں بولا جاتا تھا۔ کہ خدا تعالیٰ نے ارواح کو ابدان سے نکال کر اپنے قبضہ میں کر لیا۔ لیکن بعد میں انسان کے کسی چیز کے لینے اور اپنے قبضہ میں کرنے میں بھی مجازاً استعمال ہونے لگا۔ کیونکہ انسان بھی ایک طرح سے جب کسی چیز کو لیتا ہے۔ تو اس پر اپنا قبضہ ہی کرتا ہے۔ گو وہ قبضہ عارضی اور بعض جہات سے ہوتا ہے نہ کہ خدا کے روحوں کو اپنے قبضہ میں کرنے کی طرح دائمی اور من کل الجہات قبضہ[ف] اور اگر کوفیوں کے مذہب کو ملحوظ رکھا جائے کہ وہ فعل کو اصل اور مشتق منہ کہتے اور مصادر و صفات کو مشتق قرار دیتے ہیں تو پھر جسے چاہیں مصدر اور مشتق ٹھیرا لیں ہمیں عذر نہیں

ثامناً۔ توفی بمعنے اماتت کو ایک اور لحاظ سے بھی عرف لُغوی میں حقیقت کہا جا سکتا ہے یعنی خواہ ابتداً کسی معنوں کے لئے موضوع ہو۔ مگر اماتت پر اس کا اطلاق اس طور پر ہو گیا ہے۔ کہ اب یہ "حقیقت عرفیہ لغویہ" کے نام سے موسوم ہے۔ اور بغیر قرائن کے اس کے یہی معنے ہوتے ہیں جیسے کہ لفظ بشر کے ذیل میں علاّمہ فیومی نے لکھا ہے۔ اَلبَشَرَۃُ ظاہر الجلد والجمع البَشَرُ ثم اطلق علی الانسان اس پر علامہ ابوالفیض لکھتے ہیں۔ کتَبَ بعضٌ علیٰ قولہ ثم اُطلق الخ مانصّہ بحیث صار

ف "سردار الحدیث" کے اخبار اہلحدیث میں تو یہاں تک شائع ہو چکا ہے کہ "خدا کی تمام صفات حقیقی ہیں۔ مخلوق کی تمام صفات مجازی ہیں" (۲۳ راکتوبر ۱۹۳۵ء صـ۵) منہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

حقیقۃً عُرُفیۃً فلا نتوقف ارادتہ منہ علیٰ قرینۃٍ ایٍّ والمراد من العرفیۃ عرفُ اللغۃِ (تاج العروس جلد ۳ صفحہ ۴۴) کہ لفظ بَشَر جمع ہے بَشَرَۃ کی جس کے معنے ہیں چمڑے کے اوپر کا حصّہ، لیکن پھر یہ لفظ انسان پر بھی بولا جانے لگا۔ اس طور پر کہ اب بشر سے مراد انسان لینے کے لئے کسی بھی قرینہ کی ضرورت نہیں (جو کہ مجازی معنے مراد لینے کے لئے ضروری ہوتا ہے) کیونکہ عرف لُغت میں اس کے معنے انسان، اب "حقیقی" ہیں نہ کہ "مجازی"۔ حالانکہ آپ کا مسلک اگر اختیار کیا جائے تو علم الاشتقاق کے رُو سے بشر بمعنے انسان مجاز ہونا چاہیئے۔ نہ حقیقت۔ یعنی اس سے انسان مراد لینے کے لئے کسی قرینہ کا ہونا ضروری ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ پس اسی پر توفّی کو قیاس کریں۔

تاسعاً۔ توفّی بمعنے موت مجازی سہی مگر یہ مجاز ایسا ہے کہ ہیئت ترکیبیہ مجوزہ عنہا سے کبھی بھی یہ معنے جُدا نہیں ہوتے اور اگر یہ کہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہیں اس کے "حقیقی" اور "اصلی" معنے قبض روح لکھے ہیں۔ تو آپ اس سے اصطلاحی "حقیقت" لینے پر مجبور کیوں ہیں۔ آپ یوں سمجھ لیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے یہ لفظ عرف عام کے لحاظ سے لکھا ہے۔ یعنی حضورؑ کے بیان کردہ شرائط کے مطابق یہ لفظ جب بھی استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنے "در اصل" اور "فی الحقیقت" اماتت اور قبض رُوح کے ہوتے ہیں۔ نہ کچھ اور۔ پس آپ خواہ اصطلاحی لحاظ سے اِن معنوں کو مجازی کہہ لیں اور خواہ کچھ اور نام رکھ لیں۔ ہم آپ کو مجبور نہیں کرتے۔ لیکن معنے بہرحال یہی ہونگے۔

قولہٗ۔ "اساس البلاغہ میں ہے۔ ومن المجاز توفی فلانٌ وتوفّاہُ اللّٰہُ وادرکتہ الوفاۃ یعنی یہ مجازات ہیں" صفحہ ۱۰۹ اور صفحہ ۱۲۲ پر تاج العروس کی عبارت بحوالہ سیف (غالباً سیف چشتیائی) لکھا ہے۔ "ومن المجاز، ادرکتہ الوفاۃُ، ای الموتُ والمنیۃُ"،

۱۹۵ اقول۔ اوّلاً۔ مولٰنا! اگر اَدْرَکَتْہُ الْوَفَاۃُ کے معنے اُسے موت نے پالیا یا پکڑ لیا اور تَوَفَّاہُ اللّٰہُ کے معنے اَمَاتَہُ اللّٰہُ مجازی ہیں تو مہربانی فرما کر کسی ایک ہی مستند اہل زبان کا کلام پیش کردیں۔ جس میں اِن "مجازی" معنوں کے سوا کوئی اور اِس کے "حقیقی" معنے مراد ہوں۔ اور اگر آپ اِس کے اپنے زعمی "حقیقی" معنوں کی ایک نظیر بھی پیش نہ کر سکیں۔ اور انشاء اللہ نہ کر سکینگے تو مان لیں۔ کہ اِن معنوں کو مجازی معنے قرار دینا فی الحقیقت "آپ ہی کی ایجاد ہے"۔

ثانیاً۔ جیسا کتب علم بیان و اصول میں مصرّح ہے کسی لفظ کے متعلق حقیقت و مجاز کی بحث اُسی وقت پیدا ہو سکتی ہے۔ کہ جب وہ متکثر المعنٰی ہو۔ اور اُن معانی متعدّدہ میں سے کوئی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ابتدائی اور اصلی معنے ہوں اور کوئی بعد میں کسی مناسبت کی بنا پر پیدا شدہ ہوں۔ پس جب تک آپ اَدْرَکَتْہُ الْوَفَاۃُ، تَوَفَّاہُ اللّٰہُ اور تُوُفِّیَ فُلَانٌ میں لفظ وفَاۃ کے وہ معانی متعددہ بیان نہ کریں۔ اور پھر یہ ثابت نہ کردیں۔ کہ ابتداءً اور وضعاً لفظ وفَاۃ کے معنے آسمان پر اٹھانا یا روح وجسد دونوں کو پورا پورا اپنے قبضہ میں کرلینا۔ تھے اور پھر بعد میں فلاں مناسبت کی وجہ سے یہ لفظ موت کے معنوں میں استعمال ہوگیا ہے اُسوقت تک الفاظ "من المجاز" کی کوئی حقیقت نہ سمجھیں اور نہ ہمارے خلاف پیش کریں۔

ثالثاً۔ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ کسی کتاب لُغت اور کسی کتاب زبان دانی میں یہ نہیں لکھا ہُوا۔ کہ لفظ وفَاۃ کے معنے موت کے علاوہ کوئی اور بھی ہیں (بلکہ خود تاج کے پیش کردہ حوالہ میں بھی اس کے معنے الموت والمنیۃ ہی لکھے ہیں) چہ جائیکہ کسی نے یہ لکھا ہو۔ کہ اس لفظ کے اصلی معنے فلاں ہیں۔ اور موت کے معنوں میں یہ لفظ بعد میں مجازاً استعمال ہونے لگ گیا ہے۔ پس جب کہ لفظ وفات کے معنے ہی صرف اور صرف موت کے ہیں۔ تو ایک متحد المعنی لفظ کو اُس کے اپنے وحید معنوں کے لئے مجاز قرار دینا پرلے درجہ کی غلطی ہے۔ کیونکہ حقیقت ومجاز پر کسی لفظ کے حمل کا مدار تو صرف اس بات پر ہے کہ وہ لفظ متعدد المعنیٰ ہو۔

رابعاً۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ زمخشری نے اور اُس کی تقلید میں ابوالفیض نے جو اِس لفظ کے متعلق مجاز کا لفظ لکھا ہے تو اِس سے علم بیان والا اصطلاحی مجاز مراد نہیں ہے۔ کیونکہ علم بیان والی اصطلاح کا انحصار ایک لفظ کے متعدد معانی تسلیم کرنے پر ہے مگر یہاں یہ صورت نہیں بلکہ ایک واحد المعنیٰ لفظ کو اُس کے اپنے اصلی ہی معنوں میں استعمال ہوتے ہوئے مجاز کہدیا ہے۔ پس حقیقت ومجاز کی یہ دو الگ الگ اصطلاحیں ہیں۔ ایک اصطلاح ارباب بیان کی ہے اور ایک بعض لُغت نویسوں کی اپنی اصطلاح ہے ولکلٍ ان یصطلح ولامُشاحَّۃَ فیہ۔

پس علم بیان میں حقیقت ومجاز کے امتیاز کا معیار اور ہوتا ہے۔ اور علم لُغت میں اور مثلاً لفظ بشر کے ذیل میں آپ کے مسلّم علّامہ فیومی اپنی کتاب "المصباح المنیر" میں لکھتے ہیں۔ اَلْبَشَرَۃُ ظَاھِرُ الْجِلْدِ وَالْجَمْعُ اَلْبَشَرُ ثُمَّ اُطْلِقَ عَلَی الْاِنْسَانِ وَحْدِہٖ وَجَمْعِہٖ اس پر تاج العروس میں لکھا ہے قَالَ شَیْخُنَا کَلَامُہٗ کَالصَّرِیْحِ فِیْ اَنَّ اِطْلَاقَ الْبَشَرِ عَلَی الْاِنْسَانِ مَجَازٌ لَا حَقِیْقَۃٌ اَلْبَشَرَۃُ بمعنے ظاہر الجلد کی جمع البشر ہے پھر بشر کا اطلاق انسان پر ہوگیا ہے خواہ وہ ایک ہو یا زیادہ۔ علّامہ فیومی کا یہ کلام اس بارے میں بالکل واضح ہے کہ بشر کا اطلاق، انسان پر مجازاً ہے نہ حقیقۃً۔ (تاج العروس جلد ۳)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اس سے صاف ظاہر ہے کہ لفظ بشر بمعنے انسان کو بھی مجاز قرار دیا گیا ہے حالانکہ کسی لفظ کی اپنے مجازی معنوں پر دلالت کے لئے قرینہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے مگر بشر بمعنے انسان کے لئے کسی قرینہ کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی پس حقیقت یہی ہے کہ بعض اہل لُغت کی یہ اصطلاح، علم بیان کی اصطلاح سے بالکل جُدا گانہ ہے۔

اب کون عقلمند ہے جو اس لفظ کے متعلق حقیقت و مجاز کی بحث اِن کتب لُغت میں دیکھ کر یہ خیال کرنے لگ جائے کہ یہاں وہی علم بیان والی اصطلاح مراد ہے۔

علاوہ ازیں جس طرح لفظ بشر کے متعلق علاّمہ صاحب قاموس یا علاّمہ ابوالفیض اور علاّمہ جوہری وغیرہ نے انسان کے لئے مجاز ہونے کا اشارہ تک نہیں کیا۔ بلکہ صریحاً حقیقت قرار دیا ہے جیسا کہ تاج میں ہے وکلام الجوھری کالمصنّف صریح الحقیقۃ۔ کہ جوہری کا کلام، صاحب قاموس کی طرح صراحتہً بتا رہا ہے کہ بشر کا اطلاق انسان پر حقیقی ہے نہ مجازی۔ ٹھیک اسی طرح سوائے ابوالفیض کے اِن سبھی نے اور علاّمہ فیومی وغیرہ تمام لُغت نویسوں نے توفّی بمعنے امانت کو بھی مجاز قرار نہیں دیا۔ نہ اشارۃً نہ کنایۃً صرف دو مصنّفین یعنی زمخشری اور اُس کے مقلّد ابوالفیض نے یہ لکھا ہے۔ سو اس کی اصلیت بھی ابھی واضح ہُوا چاہتی ہے۔

لفظ مجاز اور بعض لغت نویس

اب یہ فیصلہ ہو جانے کے بعد کہ کتبِ لُغت میں جو بعض الفاظ کے متعلق حقیقت و مجاز کے لفظ لکھے گئے ہیں تو اس سے مراد قطعاً وہ نہیں ہو سکتی جو علم بیان میں ان لفظوں سے ہوتی ہے۔ یہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اِن کتب میں بعض .... الفاظ کے متعلق حقیقت و مجاز کی بحث کس نقطۂ خیال سے کی گئی ہے اور اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ سو اس پر غور کرنا ہر علم دوست انسان کا فرض ہے۔ اور مولوی صاحب کو بھی چاہیئے کہ وہ بھی اس پر غور کر کے اس کا جواب سوچیں۔

ہاں اس کی حقیقت و اصلیت جو ہمارے نزدیک ہے وہ یہ ہے کہ عربی زبان میں یہ ایک خاص وصف پایا جاتا ہے۔ کہ بعض مختلف الفاظ میں بعض حروف مشترک طور پر پائے جاتے ہیں۔ اور ان میں ان حروف کے اشتراک کے مطابق معنوی اشتراک بھی کسی حد تک پایا جاتا ہے۔ اور اگر لفظی اشتراک اس سے بھی زیادہ ہو اور ان مختلف الفاظ کا مادہ بھی ایک ہی ہو۔ تو معنوی اشتراک اور بھی بڑھ جاتا ہے اور گو ان کے معانی ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ اور مختلف ہوں مگر ان میں کوئی نہ کوئی وجہ اشتراک اور جہتِ جامعہ ضرور موجود ہوتی ہے۔ سو ان مختلف الفاظ میں سے جس لفظ کے معنوں میں

191

Digitized by Khilafat Library Rabwah

وہ جہت نسبتاً زیادہ روشن اور نمایاں ہو۔ اس کو اصل اور باقی الفاظ کو اس کی فروع قرار دے دیا جاتا ہے۔ پھر اس اصل کو اس کے اپنے معنوں کے دائرے میں حقیقت کہدیا جاتا ہے۔ اور باقی الفاظ کو جنہیں فروع قرار دیا ہوتا ہے۔ ان کے اپنے اپنے معانی کے دائرے کے اندر استعمال ہوتے ہوئے بھی مجاز کہدیا جاتا ہے۔ اور یہ اصطلاح علمِ متنِ لغت کے ساتھ مخصوص ہے۔ علم بیان میں اس کا کوئی دخل نہیں اور جس شخص کو ایسی کتبِ لغت کے بکثرت زیرِ استعمال رکھنے کا اتفاق ہُوا ہو جن میں قریباً ہر مادہ کے ماتحت حقیقت و مجاز کی بحث ہوتی ہے۔ اس کے لئے یہ بات بالکل واضح اور بیّن ہے۔

پس اگر اس حقیقت کو مدِّنظر رکھ کر مادہ و ف ی کے ذیل میں آنے والے مختلف الفاظ کو یکجائی طور پر دیکھا جائے اور ان میں جہت جامعہ تلاش کی جائے تو وہ وَفاءٌ میں نمایاں اور وَفَاۃٌ میں نسبتاً مخفی اور پوشیدہ نظر آتی ہے۔ اس لئے بعض لُغت نویسوں نے وَفاءٌ کے معنوں کو مرکزی نقطہ قرار دیکر لفظ وفاۃ کو جو ہمیشہ موت ہی کے معنوں میں آتا ہے اس کی فرع قرار دے دیا ہے جس کے نتیجہ میں انہیں یہ حکم لگانا پڑا کہ "من المجاز ادرکتہ الوفاۃ أی الموت والمنیّۃ" ورنہ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے دنیا بھر کی کوئی کتابِ لُغت یہ نہیں بتاتی کہ لفظ "وفاۃ" کے معنے موت اور منیّہ کے سوا کوئی اور بھی ہیں یا یہ کہ ابتدا میں یہ لفظ ان معنوں کے سوا کسی اور معنوں کے لئے موضوع تھا کہ وہ اس کے حقیقی معنے قرار پا سکیں۔ پس بعض لُغت نویسوں کی اس اصطلاح کو علم بیان والی اصطلاح سے الگ نہ سمجھنا، سخت غلطی ہے۔ کیونکہ علمِ بیان والی اصطلاح کا سارا مدار ایک لفظ کے متعدّد معانی تسلیم کرنے پر ہے۔ مگر یہاں ایک متحد المعنیٰ لفظ کو اس کے معنوں میں استعمال ہوتے ہوئے مجاز کہدیا گیا ہے۔

وشتان بینھما۔ خذ ھذا۔

قولہٗ "پس جب ائمہ لُغت و تفسیر بالاتفاق لکھتے ہیں کہ اس مادہ کے باب تفعّل اور استفعال کے معنے ایک ہی ہیں۔ اور قرآن مجید اور لُغت میں سے اِستیفاء کے معنے پورا پورا لے لینا ثابت کیا گیا تو اب توفّی کے معنے پورا پورا لینا کرنے میں کیا تردّد باقی رہا" ص۱۱

اقول۔ اوّلاً۔ مولنا! ان میں تساوی کی نسبت نہیں جیسا کہ آپ کو وہم ہُوا ہے کہ ہر توفّی کے معنے اِستیفاء اور ہر اِستیفاء کے معنے توفّی سمجھے جائیں بلکہ ان میں عموم من وجہ کی نسبت ہے۔ پس ہم یہ مان سکتے ہیں کہ کسی مادہ میں یہ دونوں پائے جائیں۔ یعنے یہ ہو سکتا ہے کہ کسی جگہ توفّی کے معنے اِستیفاء اور .... اِستیفاء کے معنے توفّی ہوں۔ مثلاً جب مفعول غیر ذی رُوح ہو اور فاعل انسان ہو۔ تو پھر توفّی کے معنے اِستیفاء کے ہونگے۔ جیسے محاورہ توفّیتُ منہ دراھمی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مگر اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ ہر جگہ ہر توفّی کے معنے اِستیفاء ہی ہونگے۔ مثلاً جب فاعل خدا اور مفعول کوئی انسان ہو۔ تو اسوقت اس کے معنے قطعاً اِستیفاء کے نہیں ہونگے۔ کما ظھر سابقاً۔

ثانیاً۔ وہ توفّی جس کا مأخذ وفاء ہو۔ اِستیفاء کا ہم معنی ہو۔ ہمیں اس سے بحث نہیں۔ ہاں جس توفّی کا مأخذ وفاۃ ہے۔ وہ اس کا ہم معنیٰ ہو تو کوئی مثال لائیں۔

ثالثاً۔ ہم معنیٰ ہی سہی۔ یعنے دونوں میں پورا پورا لینے کے معنے ہوں۔ مگر اِستیفاء میں دراہم وغیرہ پورے پورے لینے مراد ہونگے۔ اور توفّی میں رُوح کا پورا پورا لینا مراد ہوگا۔ فافھم۔

رابعاً۔ یہ دونوں اس صورت میں ہم معنیٰ ہونگے کہ جب ان دونوں کا فاعل انسان ہو اور مفعول یہ کوئی غیر ذی رُوح چیز ہو جیسا کہ تمام کتب لُغت میں درج شدہ امثلہ سے ظاہر ہے نہ کہ ہر حالت میں وأت بمثال واحد خلاف ذٰلک إن زعمت ھذا غیر محقق۔

خامساً۔ اگر ان دونوں لفظوں کے معنے ہر صورت میں ایک ہی ہیں تو پھر آپ کوئی ایک ایسی مثال پیش کردیں جس میں توفی اللہ زیداً کے معنے ہوں قبض جسدہ مع الروح اور استوفی اللہ زیداً کے معنے ہوں اماتہٗ۔

سادساً۔ اگر یہ دونوں ہم معنی ہیں تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید، احادیث نبویہ اور دواوین عرب۔ میں توفّی بمعنے امانت کا استعمال تو بکثرت ملتا ہے مگر استیفاء بمعنے امانت کا استعمال مفقود ہے۔ آخر یہ فرق کیوں ہے؟

قولہٗ "جس قدر محاورات میں لفظ توفّی جن معنوں میں مستعمل ہُوا ہے۔ اگر ان میں سے کسی میں بھی کوئی مدعی علم وفضل ہم کو اس کے وضعی اور حقیقی معنوں پورا پورا لے لینا سے باہر ثابت کردیوے تو بے شک ہم اس کے بے درم غلام ہیں" (ص۱۱۱)

اقول۔ اوّلاً۔ مولنا! کن بھول بھلیوں میں آپ مبتلا ہیں یا بے سمجھ لوگوں کی آنکھ میں خاک جھونکنا چاہتے ہیں۔ اگر ہمت اور جرأت ہے اور ادعائے علم وفضیلت کا پاس ہے تو محاورہ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ کی چند امثلہ پیش کرکے یہ اعلان کریں کہ "اگر ان میں سے کسی میں بھی کوئی مدعی علم و فضل ہم کو قبض رُوح کے معنے ثابت کردیوے تو بے شک ہم اس کے بے درم غلام ہیں" تب آپ کی علمیت کے ہم بھی قائل ہوجائینگے ورنہ یہ کیا کہ جس سے انکار کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں اسی کے خلاف ثابت ہوجانے پر اپنی غلامی کا انحصار رکھدیا ہے۔ جب آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ قبض رُوح کی دونوں شقوں اور صورتوں یعنے موت اور نیند میں بھی "پوری پوری گرفت

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہوتا ہے مگر یہ قطعاً غلط ہے کہ ان کا مصدر اور ماخذ بھی ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے۔ بلکہ بعض دفعہ ایک ہی باب کے دو فعلوں کا مادہ ایک ہونے کے باوجود ان کا ماخذ الگ الگ ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ان کے معنے جدا جدا ہوتے ہیں چنانچہ سورۂ بقرہ کے شروع میں لفظ یستحیی آیت ان اللہ لا یستحیی ان یضرب مثلاً ما اور یستحیون آیت یستحیون نساءکم میں آیا ہے۔ اب ظاہر ہے۔ کہ یہ دونو لفظ ایک ہی باب استفعال سے ہیں۔ اور ان کا مادہ بھی ایک ہی ہے۔ یعنی " حیی " مگر چونکہ ان کے ماخذ الگ الگ ہیں۔ چنانچہ اول الذکر کا ماخذ اور اصل حیاءٌ ہے جس کے معنے شرمانے اور رُکنے کے ہیں[1]۔ اور ثانی الذکر کا ماخذ اور اصل حیاۃٌ (۔۔۔ زندگی) ہے۔ اس لئے باوجود دونو کا مادہ اور باب ایک ہونے کے ان کے معنے الگ الگ ہیں۔ بوجہ دونو کا ماخذ جدا جدا ہونے کے اسی طرح لفظ تجنّی جس کے معنے پھل توڑنے کے ہیں۔ اور تجنّی بمعنے ارتکاب جرم کے بھی دو الگ الگ ماخذ ہیں۔ گو ان کا مادہ (ج۔ ن۔ ی) ایک ہی ہے۔ اور باب بھی ایک یعنی لفظ توفی کی طرح یہ بھی باب تفعل سے ہیں مگر اوّل الذکر کا ماخذ جَنْیٌ یا جَنیٌ ہے۔ جو اس کا مادہ بھی ہے۔ اور ثانی الذکر کا ماخذ " جنایۃٌ " ہے۔ پس جب لفظ تجنّی اپنے ماخذ جنی کی طرف منسوب ہوگا۔ تو اس وقت اس کے معنے بتدریج یکے بعد دیگرے پھل توڑنے کے ہونگے۔ اور جب اس کی نسبت ماخذ جنایۃ کی طرف ہوگی تو پھر اس کے معنے ارتکاب جرم (کسی پر جھوٹا الزام لگانے) کے ہونگے۔ ایسا ہی فعل رَأَی ہے۔ کہ جب اس کا ماخذ اور مصدر لفظ " الرُّؤیا " ہو تو اس وقت اس کے معنے ہونگے اس نے خواب میں دیکھا چنانچہ آیت اِنِّی رَأَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُھُمْ لِیْ سَاجِدِیْنَ اور اِنِّیْ اَرَانِیْ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا میں یہی معنے ہیں۔ اور جب اس کا ماخذ " الرُّؤْیَۃُ " ہو تو پھر اس کے معنے بیداری میں دیکھنے کے ہونگے۔ چنانچہ آیت فَلَمَّا رَأَی الشَّمْسَ بَازِغَۃً میں یہی معنے ہیں۔ اور جب اس کے معنے ہونگے " اس نے اعتقاد کیا " تو پھر اس کا ماخذ " الرَّأْیُ " ہوگا اور مادہ سب کا ر ء ی ہے۔ اسی طرح مندرجہ ذیل کلمات کا حال ہے۔ (۱) تبریک (باب تفعیل) کا مادہ گو برک ہے مگر جب اس کا ماخذ بھی برک ہو تو اس کے معنے ہونگے۔ اونٹ کا سینہ زمین سے لگنا یعنی اس کا بیٹھنا یا بٹھانا اور جب اس کا ماخذ لفظ برکۃ ہو تو پھر اس کے معنے ہیں برکت دینا (۲) تکلیم کہ جب اسکا ماخذ کَلَام یا کلمہ ہو تو اس کے معنے تحدیث یعنی بات کرنا ہیں (کَلَّمَ اللّٰہُ مُوسیٰ تَکْلِیمًا) اور اگر اس کا ماخذ کَلْمٌ (زخم) ہو تو اس کے معنے ہیں زخمی کرنا مادہ دونو کا ک ل م ہے (۳) فعل رَقَعَ اور رَقُعَ دونو کا مادہ رَقْعٌ ہے۔ مگر اول الذکر کے معنے ہیں مرمّت یا ہجو کی۔ اور ثانی الذکر کے معنے ہیں۔ بیوقوف یا بے شرم ہوا۔ کیونکہ پہلے کا ماخذ

ص (۲) اذا رأوا اعصی ...

179

[1] آیۃ۔ فجاءت احداھا تمشی علی استحیاء (قصص ع ۳ ۲۲۳) میں بھی استحیاء کے یہی معنے ہیں۔ منہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہوتی ہے" (صلہ ۱۱۲) تو اب ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ توفّی کو پورا پورا لے لینا معنوں سے باہر ثابت کرتے پھریں۔ ہاں جو صورت متنازعہ فیہا ہے۔ کہ اس "گرفت" کے سوا بھی محاورہ توفّاہ اللہ میں توفّی سے مراد اور قسم کی گرفت ہوتی ہے یعنی روح مع الجسد کو زمین سے الگ کر کے خدا اپنے قبضے میں کر لیتا اور آسمان پر لے جاتا ہے۔ اس کا دعویٰ کریں اور اس کی دلیل دیں۔ میں آپ کا بے درم غلام ہو جاؤں گا۔

ثانیاً۔ توفّی لفظ وفاۃ سے ماخوذ ہو۔ تو اس صورت میں بھی اس کے معنے حقیقی اور وضعی "پورا پورا لے لینا" ہی ہوتے ہیں یہ صرف آپ کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ جو آپ کی کسی دلیل کا ابھی تک رہین منت نہیں ہُوا۔

قولہ "جس لفظ کے کئی معنے یا کئی استعمالات ہوں۔ اس کو ایک معنیٰ میں معین کرنے کے لئے ضرور ضرور کوئی قرینہ موجود ہونا چاہیئے" (صلہ ۱۱۲)

اقول۔ اوّلاً۔ مگر ان میں سے جو حقیقی معنے ہوں وہ مراد لینے کے لئے قرینہ کی کیا "ضرورت" ہے۔ قرینہ کی حاجت تو مجازی معنوں کے لئے ہُوا کرتی ہے۔

ثانیاً۔ زیرِ بحث توفّی (ماخوذ از وفاۃ) کے معنے صرف قبض روح کے ہیں۔ کما ثبت فی محلہ۔ پس بے شک اس سے نیند مراد لینے کے لئے کسی قرینہ مثلاً منام۔ یا لیل وغیرہ کا ہونا ضروری ہوگا ورنہ اس کے معنے اماتت ہی کے ہونگے۔

ثالثاً۔ اگر قرائن کی ضرورت ہی ہے تو سُنئے فعل توفّی کا فاعل جب خدا ہو۔ اور کوئی عَلَم مفعول ہو یعنی کسی شخص کا نام لیکر اسے مفعول بہ قرار دیا گیا ہو۔ تو ان قرائن کی موجودگی میں اس کے معنے صرف موت اور قبض رُوح کے ہونگے لاغیر۔ اگر اس کے خلاف آپ ایک مثال بھی لے آئیں تو بے شک میں آپ کا بے درم غلام ہوں۔

قولہ۔ "پس بموجب مذہب مرزا صاحب توفّی صرف قبض رُوح کے لئے موضوع چاہیئے نہ موت اور قبض رُوح ہر دو کے لئے۔ کیونکہ ان دونوں میں نسبت عموم وخصوص ہے" (صلہ ۱۱۳)

اقول۔ اوّلاً۔ توفّی زیر بحث (ماخوذ از وفاۃ یعنی جب اس کا فاعل خدا اور مفعول بہ کوئی خاص انسان ہو) صرف اماتة ہی کے معنوں کے لئے موضوع ہے نہ مطلق قبض رُوح کے لئے۔ اگر آپ کو اس سے انکار ہے۔ تو آپ ایک ہی مثال پیش کر دیں جس میں توفّی از باب تفعل کا فاعل خدا ہو اور کوئی انسان جس کا نام لیا گیا ہو مفعول بہ ہو اور اس جگہ بجز مارنے اور وفات

Digitized by Khilafat Library Rabwah

دینے کے کوئی اور معنے ہوں۔ باقی رہا منام اور نیند کے معنوں میں اس کا استعمال تو یہ مجازاً ہوگا جس کے لئے قرینہ کا وجود لازمی ہے۔

ثانیاً۔ اگر قبض رُوح کے لئے اس کا موضوع ہونا مان لیا جائے۔ تو بھی آپ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ اس صورت میں بھی مسیح کی توفّی سے مراد اماتۃ یا انامت یعنی مارنا اور سُلا دینا دونوں میں سے کوئی ایک ہوسکتی ہے۔ کہ پہلی صورت صریحاً آپ کے مدعٰی کے خلاف ہے اور صورت ثانیہ سے بھی آپ کامیاب نہیں ہوسکتے وسیجیئی بیانہ۔ لیکن حقیقت پر غور کرنے سے اصلیت واضح ہوسکتی ہے کہ یہاں اِنامت مراد نہیں بلکہ اِماتۃ مراد ہے۔

ثالثاً۔ ایسا موضوع، جو کبھی استعمال میں نہ آئے خواہ کوئی ہو، ہماری بحث سے خارج ہے۔ ہاں استعمال میں اگر مقبوض شئے ہمیشہ رُوح ہوگی نہ جسم، سو اگر ہمت ہے تو اس کے خلاف ایک ہی نظیر لے آئیں مگر آیت اِنّی متوفّیک اور فلمّا توفّیتنی ہی پیش نہ کر دیں کہ یہ مصادرہ علی المطلوب ہوگا اور وہ ممنوع اور ناجائز ہے۔

قولہٗ۔ "اگر مرزا صاحب صرف قبض روح ہی کو مدلول وضعی قرار دیں تو یہ بھی ان کی بے علمی و بے استعدادی پر دلیل ظاہر ہوگی۔ کیونکہ توفّی لفظ مفرد ہے اور "قبضِ روح" مرکّب (اور) لفظ توفّی مفرد کا مدلول قبض رُوح جو مرکّب ہے درست نہیں۔ پس توفّی کے حقیقی معنے مطلق قبض کے ہیں نہ قبض روح کے" صـ۱۱

اقول۔ اوّلاً۔ اس کا مدلول اماتت (مارنا) ہے نہ قبض رُوح۔ بمعنی اعم اور قبض روح موت کی تشریح ہے۔

ثانیاً۔ مانا کہ "توفّی کے حقیقی معنے مطلق قبض کے ہیں" مگر مولٰنا! اس متعدی کلمہ کا مفعول بہ جب بھی کوئی علم (انسانی نام) ہوگا اسوقت اس مفعول بہ سے ملنے کے بعد "قبض روح" معنے پیدا ہو جائینگے آخر یہ متعدی ہونے کی صورت میں بغیر مفعول بہ کے تو استعمال نہیں ہوسکتا۔ پس ہمارا یہ دعوی ہے کہ یہ جب بھی بشرائطِ معینہ کسی کلام میں استعمال ہوگا تو اس کے معنے اماتت اور قبض روح ہی کے ہونگے۔

آپ کا یہ کلیہ کہ لفظ مفرد کا مدلول مرکّب نہیں ہوسکتا۔ قابل تشریح ہے کیونکہ مثلاً جنی کا لفظ مفرد کا مدلول ہے۔ "پھل کا توڑنا" جو مرکّب ہے بلکہ خود لفظ توفّی ہی کے متعلق ۔۔۔۔ آپ اور مولوی محمد ادریس صاحب دیوبندی لکھتے ہیں "توفّی کے حقیقی اور وضعی معنے اخذ الشیئ وافیاً یعنی کسی چیز کو پورا پورا پکڑ لینا ہیں" (شہادت صـ۱۱ وکلمۃ اللہ صـ۵۳) تو کیا توفّی کا

193

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جو مفرد ہے یہ مدلول مرکب نہیں ہے اگر ہے تو پھر اس کے مدلول "قبض الروح" کی ترکیب پر اعتراض کیسا؟ کیونکہ یہ ۔ دونوں ایک ہی قسم کے مرکب ہیں صرف اخذ کے بجائے قبض اور الشئی کے بجائے الروح کا لفظ رکھدیا گیا ہے وبس۔ اصل بات یہ ہے کہ کسی لفظ کا مفہوم ذہنی اور چیز ہے اور اس کا استعمال میں آنا اور چیز ہے کیونکہ بغیر کسی متعلق کے وہ استعمال نہیں ہوسکتا۔ پس اگر مجرد لفظ توفّی بغیر کسی جملے اور کلام میں استعمال ہونے کے مطلق قبض ہی پر دال ہو تو ہوتا رہے ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں۔ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ کسی جملہ میں استعمال ہونے کی صورت میں لازماً اس کے معنے قبض رُوح کے ہونگے۔ جیسا کہ آپ کی پیش کردہ آیت اللہ یتوفّی الانفس سے بھی ظاہر ہے۔ فتدبر!

قولہٗ ۔ " توفّی کا متعلق یا تو صرف جسم ہوگا یا صرف روح یا جسم مع روح" صفحہ ۱۱۵۔

اقول ۔ مَیں بفضلہ تعالیٰ مبرہن و مدلل طور پر ثابت کرچکا ہوں کہ لفظ زیر بحث کا متعلق دائماً صرف رُوح ہوتا ہے۔ صرف جسم یا "جسم مع رُوح" کبھی نہیں ہوتا۔ باقی رہا آپ کا ...... "صرف قبض جسم کی مثال" میں محاورہ توفّیت منہ دراہمی کو پیش کرنا تو یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ یہاں نہ فاعل خدا نہ عَلَم انسانی مفعول بہ، فاین ھٰذا من ذالک ۔ اور "قبض جسم مع رُوح یعنی زندہ چیز کو اخذ کرنے کی مثال کے لئے آیات انی متوفیک اور فلمّا توفّیتنی" کو پیش کرنے میں تو آپ نے کمال ہی کردیا۔

مولانا! سارے جہان کو تو اپنے اوپر قیاس نہ کرلیں۔ کیا اہل علم آپ کی اس حرکت پر مضحکہ نہ اُڑائیں گے ۔ کہ ان آیات میں جو لفظ توفّی وارد ہُوا ہے وہ تو محلِ بحث، زیر تحقیق اور متنازع فیہ ہے۔ پھر اسی کو کمال ہوشیاری سے بطور سند پیش کردیا ہے۔ حالانکہ متنازع فیہ امر عند العقلاء کبھی بھی خصم کے سامنے بطور دلیل نہیں پیش ہوسکتا۔ کیونکہ یہی وہ امر ممنوع ہے جسے اصطلاح علم مناظرہ میں "مصادرہ علی المطلوب" کہتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے مسلّم "سردار اہل حدیث" اور " فاضل زمان و علامۂ دوران حضرت مولانا مولوی محمد ثناء اللہ صاحب مولوی فاضل امرتسری" اپنے اُس رسالے میں جس کے متعلق آپ نے لکھا ہے "یہ خاکسار اس قابل ہرگز نہیں کہ ایسے فاضل مصنّف کی تحقیق اور تحریر کے بعد اس کے لئے کوئی گنجائش تسوید کی باقی رہ جائے"۔ آپ ایسے لوگوں کے حق میں فرماتے ہیں "غالباً وہ مصادرہ علی المطلوب کے اصول سے غفلت کرتے ہیں اسی لئے امر متنازع کا ثبوت متنازع ہی سے دیتے ہیں جو اہل علم کی شان سے بعید ہے۔ متنازعہ کا ثبوت متفق علیہ سے ہوتا ہے۔ فافہم" (رسالہ اجتہاد و تقلید صفحہ ۱۹)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مگر ہاں آپ کی بیچارگی اور بے بسی سے یہ قطعی اور یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان معنوں میں یہ لفظ سارے عربی لٹریچر میں کبھی ایک دفعہ بھی استعمال نہیں ہوا۔ اور کہ یہ آپ کو بھی مسلّم ہے۔ صرف فرطِ شوق میں اندھے ہو کر حضرت مسیح ؑ کے حق میں آپ یہ استعمال مان رہے ہیں۔ ورنہ یقیناً آپ کوئی ایک آدھی مثال اس موقعہ پر پیش کر دیتے۔

قولہٗ۔ "کتب لغت میں حقیقی، منقولی اور مجازی ہر طرح کے معنے ہوتے ہیں مگر ان کی تعیین حسب قرائن حالیہ و مقالیہ سلسلۂ عبارت سے مفہوم ہوتی ہے۔" صـ۱۱۶

اقول۔ مولوی صاحب! محاورہ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ کے معنوں کی تعیین آپ کسی کتاب لغت وغیرہ سے "حسب قرائن حالیہ و مقالیہ سلسلۂ عبارت سے" یہ کر دکھائیں کہ خدا نے اسے مع الجسم پکڑ کر زندہ ہی اپنے قبضہ میں کر لیا۔ مگر یاد رکھیں "امر متنازع کا ثبوت متنازع ہی سے" نہ دینے لگ جائیں۔ کہ بقول "سردار اہلحدیث" یہ فعل "اہل علم کی شان سے بعید ہے۔"

قولہٗ۔ "ابتدا میں لفظ جس معنی کے لئے استعمال کیا گیا تھا اسے اس کے حقیقی اور وضعی معنے کہتے ہیں۔" صـ۱۱۶

اقول۔ اگر آپ کے نزدیک سچ مچ "حقیقی اور وضعی" معنوں کی یہی پہچان ہے تو مہربانی فرما کر لفظ "وفاۃ" کے حقیقی اور وضعی معنے بتائیں۔ اور اگر آپ کو جہان بھر کی لغات میں اس کے معنے بجز موت کے اور کوئی قطعاً نہ مل سکیں تو کیا پھر بھی لفظ وفاۃ کے یہ معنے حقیقی اور وضعی تسلیم کرینگے یا نہیں اور کیا تاج العروس اور اساس کی عبارت ومن المجاز ادرکتہ الوفاۃ سے جو آپ کو دھوکہ ہوا تھا وہ دور ہو گا یا نہیں۔ اور جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے زیر بحث لفظ توفّی چونکہ "وفاۃ" ہی سے ماخوذ ہے اس لئے توفّی کے "حقیقی" اور "وضعی" معنے بھی خیال شریف میں اِماتت کے آئینگے یا نہیں۔ فافہم وتدبّر ولا تکن من الغافلین۔

۱۹۶ قولہٗ۔ "توفی بحسب الوضع بمعنی موت موضوع نہیں۔ کیونکہ اس کا مأخذ و مادہ وفا ہے" صـ۱۱۷

اقول۔ اوّلاً۔ ؎ خشت اوّل چوں نہد معمار کج ۔ تا ثریا مے رود دیوار کج۔

مولٰنا! جس توفّی کا مأخذ وفاء ہے وہ تو زیر بحث ہی نہیں اور جو زیر بحث ہے اس کا مادہ گو وفیٰ ہے مگر مأخذ وفاۃ ہے وقد مرّ تفصیلہ۔

ثانیاً۔ "بحسب الوضع توفی بمعنے موت موضوع نہیں" تو نہ سہی۔ ہمیں تو اس کے استعمال سے غرض ہے یعنی ہم یہ کہتے ہیں کہ جب سے عربی زبان دنیا میں بولی جانے لگی ہے اس وقت سے لیکر آج تک

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کسی ایک زبان دان نے بھی حسب شرائط مندرجہ بالا اسے ان معنوں میں استعمال نہیں کیا جو معنے آپ حضرت مسیحؑ کے لئے تجویز کر رہے ہیں۔ یعنی "مجسم سمیت آسمان پر اُٹھا لینا"۔ بلکہ ہمیشہ اور ہمیشہ صرف قبض روح (کاملاً اَوْ ناقصاً) کے معنوں میں استعمال ہُوا ہے۔ پس آپ کو "علم تعریف اور علمی تحقیق" میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں، آپ اپنے زعمی معنوں میں ہمیں اس کا استعمال دکھا دیں۔

قولہٗ۔ "اگر عرف عام نے نقل کیا ہے تو اسے منقول عرفی کہتے ہیں۔" ص۱۱۷

اقول۔ آپ اسے منقول عرفی ہی قرار دے لیں کہ عرف عام میں توفی بمعنے اماتت ہی استعمال ہوتا ہے۔

قولہٗ۔ "اگر اس کا ناقل کوئی خاص طائفہ ہے تو اسے منقول اصطلاحی کہینگے۔" ص۱۱۷

اقول۔ لفظ توفّی بمعنے قبض رُوح منقول اصطلاحی سمجھ لیں کیونکہ خدا اور خدا کے رسول نے ہمیشہ انہی معنوں میں یہ لفظ بولا ہے۔ پس خدا اور اس کے رسول کی یہ اصطلاح ہے کہ وہ دائماً "قبض رُوح" کے معنوں میں اسے بولتے ہیں۔ والدلیل علیٰ من ادعی خلاف ذلك۔

قولہٗ۔ "توفّی جنس ہے اور رفع اور موت اور نوم اس کی انواع ہیں۔" ص۱۱۷

اقول۔ اگر آپ کی طرح بعض مفسّرین کی تقلید میں اسے جنس بھی مان لیا جائے تو اس کی انواع میں جو تیسری نوع اصعاد الی السماء شمار کی گئی ہے وہ غیر مسلّم ہے۔ ہاں اگر آپ اس نوع کا ثبوت متفق علیہ اور مسلّم حوالہ سے دے دیں۔ تو ہم اسے بھی اسکی نوع تسلیم کر لینگے۔ ورنہ کسی کا محض عقیدةً کچھ لکھ دینا ہم پر حُجّت نہیں۔

قولہٗ۔ "کسی لفظ کے کسی معنوں میں زیادہ مستعمل ہونے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ ان معنوں سے مخصوص ہوگیا ہے اور اس کے دیگر معانی و اطلاقات متروک و مہجور ہو گئے ہیں۔ مثلاً قاموس میں دابہ کی نسبت لکھا ہے وَالدَّابَّةُ مَا دَبَّ مِنَ الْحَيْوَانِ وَغَلَبَ عَلٰى مَا يُرْكَبُ تو قاموس کے لکھنے سے آیت وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقھا کے معنے یہ نہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ صرف سواری کے جانوروں کا رازق ہے۔" ص۱۱۲

اقول۔ زیر بحث لفظ توفّی کو لفظ دابہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ پہلے اس کے "دیگر معانی" تو ثابت کر لیں پھر یہ قیاس بھی کر لیں۔ دابہ بمعنے سواری کا جانور بتاتے وقت تصریح لفظوں میں بتا دیا ہے۔ کہ یہ غالب استعمال ہے۔ کیا کسی معتبر کتاب لُغت میں زیر بحث توفّی کے معنے اماتت کرتے وقت بھی یہ لکھا ہے۔ کہ یہ اس کا غالب استعمال ہے۔ تفکّر۔

علاوہ ازیں آیت پیش کردہ میں لفظ دابہ اگر "اپنے اصلی وسیع معنوں میں" ہے۔ تو کیا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

سواری کے جانور اس سے باہر ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ وہ بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہیں۔ ہاں "مَا دَبَّ مِنَ الْحَیْوَانِ" کے مطابق باقی جاندار بھی اس میں داخل ہیں۔ لیکن کیا آیت انی متوفیک میں جو معنے آپ کرتے ہیں۔ یعنی "اصعاد الی السماء" ان معنوں میں اماتت بھی شامل ہے۔ اگر بدرجہ اولیٰ شامل ہے۔ تو جھگڑا ختم۔ اِمَاتَتْ یعنی "اِخراجُ الروح عنِ الجسم" کے بعد رُوح کے علاوہ حضرت مسیحؑ کی نعش کو بھی آسمان پر پہنچا دیں ہمیں کوئی گلہ نہیں۔

قولہٗ۔ " یہ ضروری نہیں کہ جملہ قرائن (مجازی معنوں کے) کتب لُغت میں مصرّح ہوں" صفحہ ۱۲۰

اقول۔ اوّلاً۔ بعض علماء نے اسے ضروری قرار دیا ہے۔ اور اس پر انہوں نے دلائل قائم کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ اگر حقیقی اور مجازی معنوں میں محض علاقہ ہی کافی سمجھا جائے۔ اور استعمال مجاز کے لئے نقل کی ضرورت نہ سمجھی جائے۔ تو پھر جہاں بھی وہ علاقہ پایا جائے۔ استعمال مجاز صحیح ہونا چاہیئے۔ اور کسی غیر انسان طویل چیز۔ کے لئے لفظ نَخْلَۃٌ (کھجور کے درخت) کا استعمال اور اَبْ کو ابن اور ابن کو اَبْ کہنا بھی جائز ہونا چاہیئے۔ نیز یہ کہ اس صورت میں غیر وضعی معنوں میں الفاظ کا استعمال قیاس فی اللغۃ یا اختراع ہوگا۔ اور یہ دونوں باطل ہیں۔" قالوا اوّلا لولم یجب النقل فی استعمال المجاز بل استقل العلاقۃ یصح المجاز اینما وجدت العلاقۃ و یصح نخلۃ لطویل غیر انسان ایضا للمشارکۃ فی الطول واب للابن وبالعکس لوجود السببیۃ والمسببیۃ .... ثانیاً لولم یجب النقل فی استعمال المجاز لکان الاستعمال فی غیر ما وضع لہ قیاساً فی اللغۃ ان کان لجامع مستلزم للحکم والا کان اختراعاً وھما باطلان فلا بد من السماع " (شرح مسلم الثبوت لبحر العلوم صفحہ ۱۰۴) اور آپ نے حصول المامول سے حوالہ پیش کیا ہے کہ لا یشترط النقل فی احاد المجاز تو یہاں "احاد" سے مراد اشخاص و افراد ہیں جیسا کہ آپ نے بھی "افراد" ہی ترجمہ کیا ہے ورنہ نوعِ مجاز کے لئے نقل کا ہونا

195 تو مذہب مختار ہے۔ چنانچہ جمع الجوامع میں ہے والمختارُ اشتراط السمع فی نوع المجاز (حاشیہ آیات بینات جلد ۲ صفحہ ۱۴۵)

ثانیاً۔ یہ آپ نے محض اس لئے لکھدیا ہے۔ کہ تا اگر کوئی پوچھ بیٹھے کہ توفّی بمعنے اصعاد الی السماء کے لئے کتب لُغت میں رفع یا کوئی اور قرینہ کہاں لکھا ہے۔ تو اس عدم ضرورت کے پردے میں اپنی بے علمی کو چھپایا جا سکے۔ لیکن مولنا! کتب لُغت میں اس کے عدم ذکر سے اس کی واقعیت اور قطعیت پر بھی تو استدلال نہیں ہو سکتا بلکہ اس مفہوم میں توفّی کا استعمال معدوم ہی سمجھا جائیگا۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تا وقتیکہ کسی مسلّم حوالے یا محاورے سے اس کا قطعی اور یقینی ثبوت بہم پہنچا دیں۔ کیونکہ قاطبۃً اہل لُغت کا اسے ترک کر دینا معنے دارد۔ لیکن یاد رہے۔ کہ محل بحث اور زیر نزاع آیت بطور مثال پیش نہ کر دینا کہ بقول "سردار اہلحدیث"، ایسا کرنا داب علماء کے خلاف ہے کیونکہ جیسا کہ اوپر مذکور ہُوا افراد میں نہ سہی ان معنوں میں استعمال نوعی کا ثبوت تو اہل لُغت سے ضروری ہے نیز بتایئے کہ محاورہ توفّاہُ اللہ میں کونسا قرینہ ہے۔ وفات کے معنوں کے لئے اگر کوئی نہیں تو پھر یہ مجاز نہیں بلکہ حقیقت ہے کیونکہ مجازی معنوں کے لئے قرینہ کا ہونا ضروری ہے اور بغیر قرینہ کے جو معنے سمجھے جائیں وہ حقیقی معنے ہوتے ہیں ان القرینۃ شرط استعمال المجاز فاذا عدمت تعینت الحقیقۃ للارادۃ۔ (بحر العلوم ص۱۱) اور اگر خدا کا فاعل اور عَلَم انسانی کا مفعول بہ ہونا قرینہ ہے۔ تو آیات متعلقہ حضرت مسیح علیہ السّلام میں بھی تو یہ قرینہ موجود ہے ان میں کیوں وفات معنے نہ کیئے جائیں؟

قولہٗ۔ "کتب لُغت میں توفّی بمعنے موت لکھا ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا۔ کہ یہ لفظ اپنے اصلی معنوں سے ہٹ کر بمعنے موت مخصوص ہو گیا ہے۔ کیونکہ اہل لُغت کا اس کو مجاز لکھنا اسکی صریح تردید کر رہا ہے چنانچہ تاج العروس میں ہے "ومن المجاز ادرکتہ الوفاۃُ ای الموت والمنیۃ وتوفّی فلان اذا مات وتوفّاہُ اللہُ عزّ و جلّ اذا قبض روحہ" اور مجاز میں سے ایک یہ ہے کہ ادرکتہ الوفاۃُ یعنی اسے موت نے پالیا۔ یا پکڑ لیا اور توفّی فلان وہ پورا ہو گیا کے معنے ہیں وہ مر گیا۔ اور توفّاہُ اللہ (خدا نے اسے پورا کرلیا) کے معنے ہیں۔ خدا نے اس کی رُوح قبض کر لی۔ اسی طرح اساس البلاغۃ زمخشری میں لکھا ہے۔ ومن المجاز توفی فلان وتوفّاہ اللہ وادرکتہ الوفاۃُ یہ سب مجاز ہیں۔ اور مجاز بولنا تب ہی درست ہے۔ جب حقیقی معنے متروک نہ ہوں" ص۱۲۳

اقول۔ اوّلاً۔ افسوس باوجود کافی تصریح کر دینے کے ابھی تک مولوی صاحب وہی "بے تکی" ہانکے جا رہے ہیں کہ "یہ سب مجاز ہیں" اچھا صاحب اگر "یہ سب مجاز ہیں" تو جیسا کہ آپ تسلیم کر چکے ہیں۔ کہ "مجاز بولنا تب ہی درست ہے۔ جب حقیقی معنے متروک نہ ہوں" آپ کو ماننا پڑیگا۔ کہ توفّاہُ اللہُ کے حقیقی معنے متروک نہیں۔ اب مرد میدان بنئے اور تُوُفّی فُلانٌ کے حقیقی معنے "وہ پورا ہو گیا" (نہ کہ وہ مر گیا کیونکہ یہ بقول آپکے اس کے مجازی معنے ہیں) قرآن شریف، حدیث شریف اور دواوین عرب وغیرہ سے ثابت کیجئے۔ اسی طرح تَوَفّاہُ اللہُ کے "حقیقی معنے خدا نے اُسے پورا کر لیا" نہ کہ خدا نے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اس کی روح قبض کر لی کیونکہ بقول آپکے یہ اسکے مجازی معنے ہیں) دنیا کی کسی مستند اور معتبر کتاب سے نکال دیجئے۔ پھر اَدْرَکَتْہُ الْوَفَاۃُ کے مجازی معنوں یعنی "اسے موت نے پالیا یا پکڑ لیا" کے سوا اسکے کوئی اور "حقیقی یا اصلی" معنے ظاہر کیجئے اور اگر آپ ان محاورات اور استعمالات کو سوائے ان "مجازی معنوں" کے کسی اور معنوں میں کہیں بھی مستعمل نہ پائیں۔ اور ہرگز نہ پائیں گے۔ تو پھر یا تو ان کے ان معنوں کو "مجازی" قرار دینے میں اپنی غلطی کا اقرار کریں اور یا اپنے اس قول سے رجوع کریں۔ کہ "مجاز بولنا تب ہی درست ہے۔ جب حقیقی معنے متروک نہ ہوں" فاین المفر۔

ثانیاً۔ آپ کا یہ "کلیہ" بھی "مردود" ہے کہ "مجاز بولنا تب ہی درست ہے۔ جب حقیقی معنے متروک نہ ہوں" چنانچہ کتب اصول و بیان میں اس امر پر مفصل بحث موجود ہے۔ اگر آپ اسے دیکھ لیتے۔ تو کتاب منطق کی ایک عبارت سے اس "ضابطہ کلیہ" کا استنباط نہ کرتے۔ سُنئے لکھا ہے:۔

"یجوز ان یتجوز فی اللفظ من غیر ان یکون لہ معنی حقیقی کما ھو المختار" (شرح الجلال المحلّی جلد ۱ صفحہ ۳۳ مطبوعہ سنہ ۱۳۱۶ھ) اور حاشیہ عطار میں لکھا ہے۔ قال الناصر قد ثبت وجودہ فان عسیٰ موضوعۃ للرجاء فی الزمن الماضی ولم تستعمل فیہ فلا تکون حقیقۃ بل استعملت فی کلام الخلق للرجاء المجرد عن الزمن و فی کلام اللہ تعالیٰ للعلم المجرد فھما معنیان مجازیان بدون معنی حقیقی" (حاشیہ عطار صفحہ ۳۳۱) بعض نے کچھ تاویل کر کے کہا۔ کہ یہ ایک ہی مجاز ہے۔ اس کی تردید کے بعد شیخ عطار لکھتے ہیں۔ "فلزم انھما معنیان مجازیان" مگر ایک مجاز ہو یا دو ہوں بہر حال ان الفاظ کے "حقیقی معنے متروک" ہیں اور یہی حال ہے۔ نِعْمَ۔ بِئْسَ کا۔ (حاشیہ عطار صفحہ ۳۶۶) اور یہی مذہب جمہور کا ہے۔ کہ مجاز حقیقت کو مستلزم نہیں۔ لا یستلزم المجازُ الحقیقۃَ (حصول المامول صفحہ ۱۸) کتب اصول کے علاوہ کتب بیان میں بھی اس کی تصریح موجود ہے چنانچہ مطول علی التلخیص میں ہے ان المجاز لم یتوقف علی ان یکون لہ حقیقۃ کما ھو المذھب الصحیح (ملخصاً) یعنی مجاز اس پر موقوف نہیں کہ اس کے لئے حقیقت بھی ہو اور یہی صحیح مذہب ہے۔ (صفحہ ۳۴۸ مطبع سندھ) اور تجرید علامہ بنانی علیٰ مختصر تفتازانی میں ہے قد یوجد المجاز بدون الحقیقۃ فلم یکن المجاز لازم الابتناء علی الحقیقۃ، کہ کبھی مجاز بغیر حقیقت کے بھی پایا جاتا ہے پس ہر مجاز کے لئے حقیقت کا ہونا لازمی نہیں (جلد ۲ صفحہ ۲۲۳ مطبوعہ سنہ ۱۲۸۵ھ) بعض نے یہ کہا ہے کہ "مشتق" میں مجاز کے تحقق کے لئے اتنی ضرورت ہے کہ پہلے اس کے مصدر کا "حقیقت" میں استعمال ہو چکا ہو۔ خود مشتق کا استعمال حقیقۃً"

سے نعم، بئس، لیس، عسیٰ اور حبذا سے بھی منقول ہے کیونکہ ان افعال کے مصادر ہی نہیں استعمال کیا؟ منہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ضروری نہیں جیسے لفظ رحمٰن کہ یہ صرف خدا ہی کے لئے مستعمل ہے اور اس کا مصدر (رحمت) اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی رقت القلب میں، جو خدا کی ذات کے متعلق محال ہیں پس اس وجہ سے رحمٰن اللہ تعالیٰ کے حق میں مجاز ہے۔ اور غیر اللہ پر اس کا اطلاق چونکہ ہوتا ہی نہیں اس لئے یہ اپنے حقیقی معنوں میں کبھی استعمال نہیں ہوا۔ فلا یتحقق فی المشتق مجاز الا اذا سبق استعمال مصدرہ وان لم یستعمل المشتق حقیقة کالرحمٰن لم یستعمل الا للہ تعالیٰ وھو من الرحمة وحقیقتھا الرقة والحنو المستحیل علیہ تعالیٰ (شرح الجلال المحلی جلد اوّل ص۳۶۶ و ۳۶۷)

پس اس تصریح سے ظاہر ہے کہ آپ کا یہ کلیہ درست نہیں کہ ہر مجاز کے لئے اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہونا ضروری ہے۔ علی الاکثر مصدر اور مأخذ کا پہلے استعمال بطور حقیقت ہو سکتا ہے جو ہمیں مضر نہیں۔ بلکہ بعد میں استعمال ہونا بھی ہمارے خلاف نہیں۔ اور اگر یہ شبہ ہو کہ ابتدائی اور اوّلی معنوں کا پہلے وضع ہونا تو ضروری ہے خواہ استعمال ضروری نہ ہو تو یاد رہے کہ استعمال سے قبل درحقیقت کسی لفظ کو حقیقت یا مجاز کہنا ہی درست نہیں۔ جیسا کہ ارباب اصول و بیان نے لکھا ہے۔ ان اللفظ قبل الاستعمال لا یتصف بکونہ حقیقةً ولا بکونہ مجازاً الخ وجہ عن حد کل واحد منھما۔ (حصول المأمول ص۱۰۱) شرح مسلم الثبوت میں ہے ان الوضع لا یکفی للحقیقة بل یجب الاستعمال لھا حتی لو وضع اللفظ ولم یستعمل اصلاً لم یکن حقیقة (ص۱۰۳) الحقیقة والمجاز منتفیان عن اللفظ قبل الاستعمال لانہ ماخوذ فی حدّھما[ہ] (شرح الجلال المحلی جلد ۱ ص۳۸۹) اور مطول میں ہے انّ الکلمة قبل الاستعمال لا تسمی مجازاً کما لا تسمی حقیقةً (ص۳۵۳ مطبوعہ سندھ) اور اگر قبل الاستعمال حقیقت یا مجاز کہہ بھی دیا جائے تو بھی ہمیں مضر نہیں وھذا ظاھرٌ۔

مولوی صاحب! ان محاورات کو "من المجاز" کہنے کی حقیقت ایک دفعہ پھر مگر ایک اور طریق سے آپ کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ شاید آپ اس خطرناک ٹھوکر کے بدنتائج سے محفوظ ہو جائیں۔

سُنئے! علامہ زمخشری اور اس کے تتبع میں علامہ ابوالفیض لفظ وفاة یا توفّی کے ان معنوں کو مجاز قرار نہیں دے رہے۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر بفصّل گذر چکا ہے۔ ایسا کہنا عربیت سے "بالکل بے بہرہ اور عاری ہونے پر بیّن دلیل ہے"، بلکہ بات دراصل یہ ہے۔ کہ زیر بحث لفظ توفّی کے معنے ہیں "اماتت یا وفات دنیا" یعنی نفس یا رُوح کو جسم سے الگ کر کے اپنے قبضے میں کر لینا جیسا کہ آیت اَللّٰہُ یتوفّی الانفس میں بھی مذکور ہے۔ تو اب اس لحاظ سے حقیقتاً یوں کہنا چاہیئے تھا۔ تُوُفِّیَ رُوحُ

[ہ] (البحث الثانی فی حدھما فالحقیقة ھی اللفظ المستعمل فی ما وضع لہ والمجاز ھو اللفظ المستعمل فی غیر ما وضع لہ لعلاقة مع قرینة (حصول المأمول ص۱۰۱) منہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

فُلَانٍ اَوْنفسُهٗ تَوَفَّی اللّٰہُ نفسَہٗ اَوْ رُوحَہٗ لیکن نفس یا روح کے بجائے مجازاً خود شخص مسمّیٰ ہی کو توفّی کا محل قرار دیدیا جاتا ہے یعنی توفّی کا مفعول بہ زید کو ٹھیرانا مجاز ہے حقیقۃً اس کا مورد نفس اور رُوح ہے۔ گویا یہاں اطلاق اسم الکل علی الجزء والا مجاز ہے یعنی کل شخص مسمّیٰ سے جز یعنی روح مراد لی گئی ہے جیسا کہ آیات یجعلون اصابعھم فی اٰذانھم، اذا رأیتھم تعجبک اجسامھم اور فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ میں اصابع سے انامل، اجسام سے وجوہ (چہرے) اور الشھر سے اوّل الشھر مراد لی گئی ہے (اتقان جلد ۲ صفحہ ۳۶) اسی طرح وفات کوئی مادی اور حسی چیز نہیں کہ وہ زید کو پکڑ لیتی یا آلیتی ہے۔ وہ تو ایک معنوی اور مفہومی کیفیّت کا نام ہے۔ پس اسکی طرف جو فعل ادراک کی نسبت کرکے کہدیا جاتا ہے۔ اَدْرَکَتْہُ الْوَفَاۃُ تو یہ بھی بطور مجاز ہے۔ نہ حقیقت، کیونکہ امر واقع یہ نہیں۔ کہ سچ مچ موت کہیں سے چل کر آتی اور کسی کو آپکڑتی ہے۔ بلکہ حقیقت میں تو خدا ہی رُوح قبض کرتا ہے۔ نہ کوئی اور، تو اس میں وفاۃ کی طرف نسبت ادراک کو مجاز کہا ہے نہ کہ وفات کے معنوں (موت و منیہ) کو گویا یہ مجاز فی الاسناد ہے جیسا کہ اذا تلیت علیھم اٰیاتہ زادتھم ایمانا میں آیات کی طرف زیادۃ کی نسبت ہے حالانکہ حقیقۃً زیادہ کرنا خدا کا فعل ہے یا اضافۃ الفعل الی ما لا یصح منہ تشبیھا والا مجاز ہے جیسا کہ آیت جدارا یرید ان ینقض میں دیوار کی طرف ارادہ منسوب کیا گیا ہے (اتقان جلد ۲ صفحہ ۳۷) بلکہ اہل سُنّت کے نزدیک تمام افعال اختیاریہ کا اسناد حیوانات کی طرف مجازاً ہے کیونکہ حقیقۃً خدا تعالیٰ ہی فاعل ہے بل اسناد الافعال الاختیاریۃ کلھا الی الحیوانات علیٰ مذھب اھل السنۃ مجاز لان فاعلھا فی الحقیقۃ ھو اللّٰہ تعالیٰ فاسناد الیٰ غیرہٖ مجاز عقلی۔ (آیات بینات علیٰ شرح جمع الجوامع جلد ۲ صفحہ ۱۲۹) اس توجیہ سے مولویصاحب کی "علمی تحقیق" بھی ہاتھ سے نہیں جاتی۔ کیونکہ اس صورت میں "توفّی کے حقیقی معنے مطلق قبض" قائم رہتے ہیں۔ ہاں ان دو لغت نویسوں نے "من المجاز" کہکر یہ امر واضح کر دیا ہے۔ کہ جب فعل توفی کا فاعل خدا ہو۔ اور مفعول بہ کوئی انسان ہو۔ تو اس سے یہ دھوکہ نہ ہو کہ شاید خدا تعالیٰ اس انسان کا جسم یا جسم مع الروح اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے۔ جیسا کہ محاورہ توفّیتُ منہ دراہمی میں سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ ان محاورات میں حقیقۃً صرف رُوح قبض کی جاتی ہے۔ جسم اور مادی وجود سے خدا کے قبضے کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ کیونکہ مادی اشیاء قبضے میں کرنا اس کی سُنّت نہیں ہے۔ پس رُوح اور نفس کے بجائے مجسم اور مرئی ہستی کو مفعول ٹھیرانا بطور مجاز ہے نہ بطور حقیقت۔

مگر افسوس کہ جس غلطی اور ٹھوکر سے بچانے کے لئے انہوں نے "من المجاز" کہکر توجہ دلائی تھی۔ خود یہی لفظ ہمارے مخالفین کے لئے اسی غلطی اور ٹھوکر کا باعث ہو گئے۔ اور اگر اب بھی مولوی صاحب

١٩٦

Digitized by Khilafat Library Rabwah

سرقاعۃ (حماقت، بے شرمی) ہے۔ اور دوسرے کا ماخذ سرقع (پیوند لگانا یا ہجو کرنا) ہے۔ (۴) شجع اور شجُع کا مادہ تو ہے۔ شجع۔ مگر پہلے کے معنے ہیں (طال) لمبا ہوا۔ اور دوسرے کے معنے ہیں۔ دلیر اور بہادر ہوا۔ کیونکہ اوّل الذکر کا ماخذ شجع ہے اور ثانی الذکر کا شجاعۃ۔[1] (۵) اسی طرح تکویف بمعنے کوفہ آنے کا ماخذ کوفہ ہے۔ اور بمعنے چمڑا کاٹنے کا ماخذ کوف ہے جو اس کا مادہ بھی ہے۔ پس یہ حقیقت ثابت ہے۔ کہ ماخذ اور مشتق منہ کی تبدیلی سے معنوں میں تبدیلی آجاتی ہے گو مادہ ایک ہی ہو۔ بالکل یہی حال لفظ توفّی کا ہے۔ کہ اس کا مادہ لفظ سہ حرفی تو ہے۔ و ف ی مگر اس کے ماخذ دو ہیں ایک "وَفَاءٌ" اور دوسرا "وَفَاۃٌ" پس جب اس کے معنے ہوتے ہیں کسی سے اپنی چیز پوری پوری لے لینا تو اس وقت اس کا ماخذ ہوتا ہے۔ وفاءٌ (پورا کرنا یا پورا ہونا) یا وُفِیٌّ (کامل اور پورا ہونا) اور جب قبض رُوح اور امانت کے معنوں میں ہو۔ تو اس وقت اس کا ماخذ "وفاۃ" بمعنی موت ہوتا ہے۔

چنانچہ تمام مبسوط اور مشہور کتب لُغات میں اس حقیقت کو آشکارا کرنے اور یہ فرق ظاہر کرنے کے لئے لفظ توفّی کے ان دونوں معنوں کو الگ الگ ذکر کیا گیا ہے یعنی پہلے ماخذ وفاءٌ اور وفیٌّ کے معنے بتائے ہیں۔ اور اس کے ذیل میں لفظ توفّی کو لاکر اس کے معنے کسی سے اپنا حق پورا پورا لے لینے کے بیان کیے ہیں۔ اس کے بعد لفظ "وفاۃ" لاکر اس کے معنے الموۃ والمنیۃ بیان کرکے اس کے ذیل میں توفّی کا لفظ دوبارہ لاکر اس کے معنے قبض روح بتائے ہیں۔ یا پہلے توفّی بمعنے امانت کا استعمال بتاکر پھر "وفاۃ" کے معنے "الموت والمنیۃ" لکھدیئے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کردیا ہے کہ اوّل الذکر معنوں میں استعمال کے وقت انسان فعل توفی کا فاعل ہوگا اور ثانی الذکر معنوں میں استعمال کی صورت میں مفعول بہ۔ چنانچہ صاحب قاموس لکھتا ہے وَفَی بالعہدِ وعلی وفاءً ضدّ غدر۔ والشیءُ وفیًّا کصلِیٍّ تمّ وکثر فھو وَفِیٌّ ووافٍ والدرھمُ المثقالَ عدلہ اوفی علیہ اشرف وفلاناً حقَّہ اعطاہ وافیاً کوفّاہ ووافاہ فاستوفاہ وتوفّاہ و الوفاۃ۔ الموۃ وتوفّاہ اللّٰہُ قبض روحہ (قاموس جلد ۴ صـ۴۰۳) یعنی وفی بالعہد اور وَفَی الشیءُ کے معنے ہیں عہد پورا کیا۔ چیز پوری ہوگئی۔ اوفیٰ علیہ کے معنے ہیں جھانکا اور اوفیٰ فلاناً حقَّہ کے معنے ہیں اسے اس کا پورا حق دیدیا۔ اور یہی معنے ہیں وَفّٰی اور وافٰی کے۔ اور استوفیٰ اور توفّیٰ کے معنے ہیں اپنا پورا پورا حق لے لیا۔ اور وفاۃ کے معنے ہیں موت اور توفّاہُ اللّٰہُ کے معنے ہیں خدا نے اسے موت دی۔

[1] مثال نمبر ۳ و نمبر ۴ میں اختلاف باب بھی ملحوظ ہے۔ منہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ضد کیے جائیں اور الفاظ "من المجاز" سے وہ مراد نہ لیں۔ جو اوپر مذکور ہوئی۔ تو میں ان سے پوچھتا ہوں۔ کہ آپ نے "علم اشتقاق" اور "علمی تحقیق" کے رُو سے توفّی کو جنس قرار دیا ہے جس کی کئی ایک انواع بتائی ہیں۔ (ص۱۱۴ تا ۱۱۹)

اب ظاہر ہے۔ کہ جنس ایک مفہوم کلی ہوتا ہے۔ جو ہمیشہ افراد ہی میں متحقق ہوتا ہے خارجاً الگ اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا جیسا کہ مولوی صاحب کی بیان کردہ مثال یعنی حیوان سے بھی ظاہر ہے۔ کہ یہ کبھی گھوڑے کبھی گدھے اور کبھی کسی انسان کے وجود ہی میں پایا جائیگا حیوانیت جو کہ ایک امر مبہم ہے الگ اپنا وجود نہیں رکھتی۔ اب مولوی صاحب مہربانی فرما کر "علمی تحقیق" سے ثابت کریں۔ کہ حیوان کی دلالت گھوڑے پر یا ہاتھی پر یا انسان پر مجازی ہوتی ہے، نہ کہ حقیقی یعنی ثابت کریں۔ کہ جنس کا استعمال اپنی انواع میں مجاز کہلاتا ہے۔ نہ حقیقتﮧ۔

ﮧ کتب علم بیان میں تو لکھا ہے کہ جب کسی لفظ عام کا اطلاق خاص پر کیا جائے تو یہ مجاز نہیں کہلاتا جیسا کہ زید پر انسان یا انسان پر حیوان یا مثلاً زید کا اکرام کرنے، اس کو کھلانے اور کپڑے پہنانے پر "فعل" کا اطلاق ہے کیونکہ یہ اپنے وضعی معنوں میں مستعمل ہیں اگرچہ خارج میں ایک خاص فرد یا خاص کام پر واقع ہوئے ہیں۔ ھذا الکلام صریح فی انہ اذا اطلق لفظ العام علی الخاص لا باعتبار خصوصہ بل باعتبار عمومہ فھو لیس من المجاز فی شیئ کما اذا رأیت زیداً فقلت رأیت انساناً او رأیت رجلاً فلفظ انسان او رجل لم یستعمل الا فیما وضع لہ لکنہ قد وقع فی الخارج علی زید وکذا اذا قال قائل اکرمتُ زیداً او اطعمتہ وکسوتہ فقلتَ نعم ما فعلتَ لم یکن لفظ فعلت مجازاً وکذا لفظ الحیوان فی قولنا الانسان حیوان ناطق کسی نے مجاز خیال کیا تھا اس کے متعلق لکھا ہے۔ ومنشأہ عدم التفرقۃ بین ما یقصد باللفظ من الاطلاق والاستعمال وبین ما یقع علیہ باعتبار الخارج یعنی ایسے بیرتہ ہی نہیں کہ کسی لفظ کے اطلاق اور استعمال اور خارجاً اس کے کسی فرد پر واقع ہونے میں فرق کیا ہے۔ مطول التلخیص ص۳۶

اسی طرح بحر العلوم میں ہے کہ کلّی کا اطلاق اپنے فرد پر حقیقت ہوتا ہے ان اطلاق الکلی علی فردہ حقیقۃ جیسے زید پر حیوان کا اطلاق ص۱۰۵ پھر لکھا ہے کہ عام کا اطلاق اس کے کسی فرد پر مجاز نہیں ہوتا۔ اطلاق العام علی فرد منہ لیس بمجاز ص۱۰۶

علاوہ ازیں مجاز کی امارات و علامات میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ مستعمل فیہ معنوں سے حقیقی معنوں کی نفی ہو سکے جیسے بلیدؔ اور بیوقوف سے حمار (گدھے) کی نفی صحیح ہے۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ حمار کا اطلاق بلید پر مجازاً ہے۔ اور اگر نفی صحیح نہ ہو۔ تو وہ مجاز نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ جیسے بلید سے انسان اور زید سے حیوان کی نفی درست نہیں۔ پس یہ علامت ہے اس بات کی کہ بلید پر انسان اور زید پر حیوان کا اطلاق حقیقۃً ہے نہ کہ مجازاً (للمجاز امارات بہا یستدل علی المجازیۃ منہا صدق نفی المعنی الحقیقی المستعمل فیہ کقولک للبلید لیس بحمار علم ان الحمار مجاز فیہ وعدم صدق نفی المعنی الحقیقی عنہ دلیل الحقیقۃ فیہ فلا یصح للبلید لیس بانسان فالانسان حقیقۃ فیہ بحر العلوم ص۱۰۵)

اب مولوی صاحب بتائیں کہ نوع سے جنس کی نفی درست ہے یا نہیں۔ اگر درست ہے۔ تو بے شک جنس کا اطلاق نوع پر مجاز ہو گا۔ ورنہ حقیقت۔ اور چونکہ مولوی صاحب توفّی کو جنس اور موت کو نوع قرار دیتے ہیں۔ (شہادت ص۱۲۴) اور توفّی کا اطلاق موت پر مجازاً کہتے ہیں۔ (شہادت ص۱۰۹) اس لئے ضروری ہے۔ کہ موت سے توفی کی نفی ہو سکے یعنی یوں کہنا درست ہو۔ کہ "موت توفّی نہیں" جیسا کہ یہ کہنا درست ہونا چاہیئے کہ "گدھا حیوان نہیں"، "گھوڑا حیوان نہیں"، حالانکہ ایسا کہنا قطعاً صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ بالبداہت باطل ہے پس نتیجہ صاف ہے کہ توفّی بمعنے موت مجاز نہیں وھو المدعی۔

بس اب تو مولوی صاحب کا "سارا تانا بانا ٹوٹ گیا" والحمد للہ علی ذٰلک۔

منہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اگر مجاز کہلاتا ہے۔ تو ظاہر ہے۔ کہ پھر ہر نوع میں مجاز کہلائیگا۔ نہ محض کسی ایک نوع میں۔ پس اس صورت میں ماننا پڑیگا۔ کہ لفظ توفی اپنے تمام استعمالات میں مجازاً ہی مستعمل ہے۔ یعنی محاورہ توفّیتُ منہٗ دراہمی، توفّیتُ منہ حقی اور توفیتُ عَدَدَ القومِ میں بھی مجازاً ہی استعمال ہوا ہے نہ بطور حقیقت۔ لیکن اس کی کیا وجہ ہے۔ کہ کسی ایک لُغت نویس نے بھی ان محاورات میں توفّی کے استعمال کو "مجاز" نہیں کہا۔ نہ اشارۃً نہ کنایۃً۔ حتّٰی کہ آپ کے زمخشری اور ابو الفیض نے بھی ایسا نہیں لکھا۔

پس کسی کتاب لُغت میں صرف محاورہ توفّاہُ اللہُ کے متعلق "مجاز" لکھا جانا اور باقی انواع کے متعلق نہ لکھا جانا صاف ظاہر کر رہا ہے۔ کہ اصل حقیقت وہ نہیں جو ہمارے مخالف سمجھ بیٹھے ہیں۔ ورنہ اس فرق کی وجہ معقول بتائیں۔ کہ جب سبھی انواع میں استعمال مجازاً تھا۔ تو پھر ایک ہی نوع کے متعلق یہ کیوں لکھا گیا۔ فافہم وتدبّر ولاتکن من الجاھلین

مَیں امید رکھتا ہوں۔ کہ "ایک نیک باطن، پاک طینت (اور) صاحب بصیرت (انسان) کے لئے" لفظ توفّی کے متعلق اسی قدر بیان کافی اور وافی ہے۔ لیکن تاہم کسی دوسرے موقعہ پر اس مضمون کا بقیہ حصّہ بھی ہدیہ قارئین ہوگا۔ جس میں زیادہ تر آیت یاعیسٰی اِنّی متوفّیک اور فلمّا توفّیتنی پر اور قرآن مجید، احادیث نبویہ اور دواوین عرب وغیرہ میں لفظ توفّی کے استعمال پر بحث ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ ومنہ التوفیق للصواب والتحقیق۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آخر پر حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا وہ انعامی اشتہار جو حضورؑ نے لفظ توفّی کے متعلق آج سے ۴۷ سال پہلے سے دے رکھا ہے اور جس کے جواب سے دنیا بھر کے علماء فضلاء عاجز آچکے ہیں درج کر دیا جائے۔ جس سے لفظ توفّی اور اس کے استعمال کے متعلق ہمارے اور ہمارے مخالفین کے درمیان مافیہ النزاع کی بھی بالوضاحت تعیین ہو جائیگی اور وہ یہ ہے:۔

توفّی کے لفظ کی نسبت ہزار روپے کا اشتہار

(از حضرت مسیح موعود علیہ السّلام)

"بعض علماء وقت کو اس بات پر سخت غلوّ ہے۔ کہ مسیح ابن مریمؑ فوت نہیں ہوا۔ بلکہ زندہ ہی آسمان کی طرف اُٹھایا گیا اور حیات جسمانی دنیوی کے ساتھ آسمان پر موجود ہے۔ اور نہایت بے باکی اور شوخی کی راہ سے کہتے ہیں۔ کہ توفّی کا لفظ جو قرآن کریم میں حضرت مسیحؑ کی نسبت آیا ہے۔ اس کے معنے وفات دینا نہیں ہے۔ بلکہ پورا لینا ہے یعنی یہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

روح کے ساتھ جسم کو بھی لے لینا مگر ایسے معنے کرنا ان کا سراسر افترا ہے۔ قرآن کریم کا عموماً التزام کے ساتھ اس لفظ کے بارے میں یہ محاورہ ہے۔ کہ وہ لفظ قبض رُوح اور وفات دینے کے معنوں پر ہر ایک جگہ اس کو استعمال کرتا ہے۔ یہی محاورہ تمام حدیثوں اور جمیع اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا ہے۔ جب سے دنیا میں عرب کا جزیرہ آباد ہُوا ہے۔ اور زبان عربی جاری ہوئی ہے۔ کسی قول قدیم یا جدید سے ثابت نہیں ہوتا۔ کہ توفّی کا لفظ کبھی قبض جسم کی نسبت استعمال کیا گیا ہو۔ بلکہ جہاں کہیں توفّی کے لفظ کو خدائے تعالیٰ کا فعل ٹھیرا کر انسان کی نسبت استعمال کیا گیا ہے۔ وہ صرف وفات دینے اور قبض روح کے معنے پر آیا ہے نہ قبض جسم کے معنوں میں۔ کوئی کتاب لُغت کی اس کے مخالف نہیں۔ کوئی فعل اور قول اہل زبان کا اسکے مغائر نہیں۔ غرض ایک ذرہ احتمال مخالف کی گنجائش نہیں۔ اگر کوئی شخص قرآن کریم سے یا کسی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اشعار و قصائد نظم و نثر قدیم و جدید عرب سے یہ ثبوت پیش کرے کہ کسی جگہ توفّی کا لفظ خدائے تعالیٰ کا فعل ہونیکی حالت میں جو ذوی الروح کی نسبت استعمال کیا گیا ہو۔ وہ بجز قبض روح اور وفات دینے کے کسی اور معنی پر بھی اطلاق پا گیا ہے۔ یعنی قبض جسم کے معنوں میں بھی مستعمل ہُوا ہے۔ تو مَیں اللہ جلّشانہٗ کی قسم کھا کر اقرار صحیح شرعی کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو اپنا کوئی حصہ ملکیّت کا فروخت کر کے مبلغ ہزار روپیہ نقد دونگا۔ اور آئندہ اسکی کمالات حدیث دانی اور قرآن دانی کا اقرار کر لونگا۔" منقول از ازالہ اوہام خورد طبع اول مطبوعہ ۱۳۰۸ھ صفحہ ۹۱۸ و ۹۱۹

نیز حضور فرماتے ہیں:۔

اور اس جگہ اس بات پر ضد کرنا بے فائدہ ہے۔ کہ توفّی کے معنے مارنا نہیں۔ کیونکہ اس بات پر تمام ائمہ لُغت عرب اتفاق رکھتے ہیں کہ جب عَلَم پر یعنی کسی شخص کا نام لیکر توفّی کا لفظ اسپر استعمال کیا جائے۔ مثلاً کہا جائے کہ تَوَفَّی اللّٰہُ زیدًا تو اس کے یہی معنے ہونگے۔ کہ خدا نے زید کو مار دیا۔ اسی وجہ سے ائمہ لُغت ایسے موقع پر دوسرے معنے لکھتے ہی نہیں صرف وفات دینا لکھتے ہیں...... اور مَیں نے جہاں تک ممکن تھا صحاح ستّہ اور دوسری احادیث نبویہ پر نظر ڈالی تو معلوم ہُوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے کلام اور صحابہؓ کے کلام اور تابعین کے کلام اور تبع تابعین کے کلام میں کوئی ایک نظیر بھی ایسی نہیں پائی جاتی۔ جس سے یہ ثابت ہو۔ کہ کسی عَلَم پر توفّی کا لفظ آیا ہو۔ یعنی کسی شخص کا نام لیکر توفّی کا لفظ اس کی نسبت استعمال کیا گیا ہو۔ اور خدا فاعل اور وہ شخص مفعول بہ ٹھیرایا گیا ہو۔ اور ایسی صورت میں اس فقرہ کے معنے بجز وفات دینے کے کوئی اور کیئے گئے ہوں...... اسی طرح جب قرآن شریف پر اوّل سے آخر تک نظر ڈالی گئی تو اس سے بھی یہی ثابت ہُوا...... اور پھر مَیں نے عرب کے دیوانوں کی محض اس لئے اس غرض سے سیر کی اور جاہلیّت اور اسلامی زمانہ کے اشعار بڑے غور سے دیکھے اور بہت سا وقت ان کے دیکھنے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

میں خرچ ہُوا۔ مگر مَیں نے ان میں سبھی ایک نظیر ایسی نہ پائی۔ کہ جب خدا توفّی کے لفظ کا فاعل ہو اور ایک علم مفعول بہ ہو یعنی کوئی شخص اس کا نام لیکر مفعول بہ ٹھیرا گیا ہو۔ تو ایسی صورت میں بجز مار دینے کے کوئی اور معنے ہوں۔ بعد اس کے مَیں نے اکثر عرب کے اہل علم اور اہل فضل و کمال سے دریافت کیا۔ تو ان کی زبانی بھی یہی معلوم ہُوا۔ کہ آج کے دنوں تک تمام عرب کی سرزمین میں یہی محاورہ جاری و ساری ہے۔ کہ جب ایک شخص دوسرے شخص کی نسبت بیان کرتا ہے۔ کہ تَوَفَّی اللّٰہُ فُلَانًا تو اس کے معنے قطعی اور یقینی طور پر یہی سمجھے جاتے ہیں۔ کہ فلاں شخص کو خدا تعالیٰ نے مار دیا۔ اور جب ایک عرب کو دوسرے عرب کی طرف سے ایک خط آتا ہے۔ اور اس میں مثلاً یہ لکھا ہُوا ہوتا ہے۔ کہ تَوَفَّی اللّٰہُ زَیدًا تو اس کا یہی مطلب سمجھا جاتا ہے۔ کہ خدا نے زید کو مار دیا۔ پس اسقدر تحقیق کے بعد جو حق الیقین تک پُہنچ گئی ہے۔ یہ امر فیصلہ ہو گیا ہے۔ اور امور مشہودہ محسوسہ کے درجہ تک پُہنچ گیا ہے۔ کہ ایک شخص جس کی نسبت اس طور سے لفظ توفّی استعمال کیا جائے۔ اس کے یہی معنے ہونگے۔ کہ وہ شخص وفات پا گیا ہے نہ اور کچھ۔" (براہین احمدیہ حصّہ پنجم صفحہ ۲۰۶ و ۲۰۷) والسّلام

خاکسار تاج الدین لائل پوری مولوی فاضل۔ از قادیان دارالامان

وصیّتیں

۲۷۱۳۔ منکہ غلام احمد ولد علی محمد قوم جٹ باگڑی ساکن موضع تلونڈی جھنگلاں ڈاکخانہ قادیان بقائمی ہوش و حواس بلاجبر واکراہ حسب ذیل وصیّت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اسوقت ایک راس بیل اور ایک بھینس ہے اور ان کی قیمت مبلغ ایک سو چالیس روپے ہوتے ہیں مبلغ ستّر روپے کا بیل اور ستّر روپے کی بھینس ہے۔ مَیں اپنی خوشی سے اس جائیداد کا دسواں حصّہ اپنی وصیّت میں دیتا ہوں مبلغ دس روپیہ تو خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں داخل کر چکا ہوں اور باقی مبلغ چار روپے عنقریب ادا کر دونگا۔ انشاءاللہ ایک ماہ تک داخل خزانہ کر دونگا اگر خدانخواستہ مجھ سے ادا نہ ہو تو صدر انجمن کو اختیار ہے میری جائیداد سے وصول کر لیوے اور نیز وصیّت کرتا ہوں کہ آئندہ تازندگی اپنی آمدنی کا دسواں حصّہ ادا کرتا ہونگا لہٰذا چند کلمہ بطور وصیّت نامہ کے لکھدیئے کہ سند ہو۔ کتبہ خاکسار رحیم بخش احمدی امام مسجد تلونڈی جھنگلاں ۱۳/۶/۲۷

گواہ شد حسن محمد سربراہ نمبردار سکنہ تلونڈی جھنگلاں بمع مہر	العبد غلام احمد ولد علی محمد نشان انگوٹھا	گواہ شد رحیم بخش نمبردار سکنہ تلونڈی جھنگلاں بقلم خود

۴۰۲۵۔ منکہ فیض احمد ولد چوہدری غلام محمد صاحب قوم جٹ گوت مہار پیشہ زراعت و ملازمت عمر ۳۲ سال تاریخ بیعت پیدائشی احمدی ساکن پوہلا مہاراں ڈاکخانہ چندر کے منگولے تحصیل ناروال ضلع سیالکوٹ۔ بقائمی ہوش و حواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱۷ ستمبر ۱۹۳۳ء حسب ذیل وصیّت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اسوقت کوئی نہیں۔ کیونکہ میرے والد صاحب

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بفضلِ خدا زندہ ہیں۔ میری ماہوار آمد اسوقت بیس روپے تنخواہ ہے میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ کرتا رہونگا۔ نیز مرنے کے وقت میرا جسقدر متروکہ ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ فقط المرقوم ۱۷ ستمبر ۱۹۳۳ء العبد فیض احمد موصی بقلم خود انسپکٹر بیت المال قادیان۔ گواہ شد محمد فیروز الدین قریشی انسپکٹر بیت المال قادیان۔ گواہ شد محمد عبداللہ ولد چوہدری غلام احمد نمبردار سکنہ مگوے ڈاکخانہ چندر کے جٹاں ضلع سیالکوٹ

۴۶۰۷ منکہ مسماۃ احسان الٰہی زوجہ گیانی واحد حسین قوم راجپوت عمر سترہ سال تاریخ بیعت پیدائشی احمدی ساکن قادیان محلہ دار البرکات بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۰/۶/۳۶ حسب ذیل وصیت کرتی ہیں۔ میں اپنے حق مہر کی کل رقم مبلغ چارسو روپیہ کے جو کہ میرے خاوند مسمّی گیانی واحد حسین مبلغ جماعت احمدیہ کے ذمّہ واجب الادا ہے ۱/۳ حصہ کی وصیت کرتی ہوں اسکے علاوہ میرے پاس کوئی جائیداد یا زیور نہیں ہے نیز میں یہ بھی وصیت کرتی ہوں۔ کہ اگر میری وفات کے بعد میری کوئی جائیداد متروکہ ہو تو میرے ورثاء پر فرض ہوگا کہ وہ اس کا ۱/۳ حصہ خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں داخل کریں۔ اور انجمن کو حق ہوگا۔ کہ میرے ورثاء سے میری متروکہ وصیت کا حصہ وصول کرے۔

نوٹ:۔ انجمن کو اختیار ہے کہ وہ میرے خاوند مسمّی گیانی واحد حسین مبلغ جماعت احمدیہ سے میرے حق مہر مبلغ چارسو روپیہ کی رقم میں سے مبلغ ایک سو تینتیس ۱۳۳ روپے جو کل رقم کا ۱/۳ ہوتا ہے یکمشت یا باقساط جس طرح چاہے جب چاہے وصول کرلے مؤرخہ ۲۰ اگست ۱۹۳۶ء محررہ۔ گواہ فضل الدین اور سیر ایم ای ایس تر مک وزیرستان حال خصتی قادیان بقلم خود۔ العبد مسماۃ احسان الٰہی۔ گواہ عطاء اللہ جاں بقلم خود۔ گواہ شد حمید اللہ خاں ہیڈ ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول چونیاں حال قادیان

میں تصدیق کرتا ہوں مندرجہ بالا رقم باقساط انشاء اللہ ادا کردونگا۔ گیانی واحد حسین

۴۶۰۸ منکہ نصر اللہ خاں ولد حکیم فضل حسین صاحب قوم جھمٹ جٹ پیشہ ملازمت عمر تقریباً ۲۳ سال تاریخ بیعت پیدائشی ساکن تولیکی ڈاکخانہ کاموکی تحصیل و ضلع گوجرانوالہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۵/۷/۳۶ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔ میری جائیداد اسوقت کوئی نہیں میرا گذارہ ماہوار آمد پر ہے جو کہ مبلغ ۲۰ روپے ماہوار ہے میں ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میرے مرنے کے بعد اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس کی بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔

گواہ شد ——— العبد ——— گواہ شد

محمد اسمٰعیل دیالگڑھی مولوی فاضل مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ	نصر اللہ خاں احمدی مدرس تولیکی ضلع گوجرانوالہ ڈاکخانہ کاموکے	شیخ محمد بشیر آزاد عفی عنہ انبالوی ثم مریدکے حال وارد تولیکی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اسی طرح باقی کتب میں بھی توفّی بمعنے امات کا اصل، لفظ وفاۃ ظاہر کرنے کے لئے یہی طریق اختیار کیا گیا ہے کہ لغت نویس لفظ وفی کے مشتقات کا ذکر کرتے کرتے جملہ تَوَفَّیَ اللّٰہُ زَیدًا درج کر کے معاً اَلْوَفَاۃُ اَلْمَوْتُ لکھ جاتے ہیں یا اَلْوَفَاۃُ اَلْمَوْتُ لکھ کر معاً اس محاورہ کا اندراج کر دیتے ہیں جس سے ناقد بصیر بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ ائمہ لغات محاورہ تَوَفَّی اللّٰہُ زَیدًا میں لفظ توفی کا مأخذ لفظ وفاۃ کو قرار دے رہے ہیں۔ چنانچہ سب سے پرانی اور مسلّم کتاب صحاح جوہری میں ہے تَوَفَّاہُ اللّٰہُ اَیْ قَبَضَ رُوْحَہٗ وَالْوَفَاۃُ الْمَوْتُ (جلد ۲ صفحہ ۵۶۳)

اور آپ کے مسلّم علامہ فیومی لکھتے ہیں تَوَفَّاہُ اللّٰہُ اَمَاتَہٗ وَالْوَفَاۃُ الْمَوْتُ (المصباح المنیر جلد ۲ صفحہ ۱۶۲) اور آپ کی مسلّم اور مستند کتاب صراح میں ہے۔ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ اَیْ قَبَضَ رُوْحَہٗ وَفَاۃ، مردن صفحہ ۵۸۴ اور لغت کی مبسوط کتاب لسان العرب میں ہے اَلْوَفَاۃُ الْمَنِیَّۃُ اَلْوَفَاۃُ الْمَوْتُ وَتُوُفِّیَ فُلَانٌ وَتَوَفَّاہُ اللّٰہُ اِذَا قَبَضَ نَفْسَہٗ وَفِی الصِّحَاحِ اِذَا قَبَضَ رُوْحَہٗ (جلد ۲۰ صفحہ ۲۸۰ مطبوعہ مصر ۱۳۰۷ھ)

پھر علامہ زمخشری اپنی مشہور کتاب اساس البلاغۃ میں لکھتے ہیں تَوَفَّاہُ اللّٰہُ وَاَدْرَکَتْہُ الْوَفَاۃُ جلد ۲ صفحہ ۳۴۱۔ منتہی الارب میں ہے وفاۃ، مرگ..... توفّی میرانیدن یقال توفّی اللّٰہ تعالیٰ اَیْ قَبَضَ روحہ و تمام گرفتن حق را۔[1] صفحہ ۱۳۵۴ (ربع چہارم مطبوعہ ۱۳۲۵ھ مطبع اسلامیہ)

علاوہ ازیں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اگرچہ لفظ وفاۃ تمام لغات میں لفظ وفی ہی کے ضمن میں درج

---

[1] ۔ تمام گرفتن حق را اور الاستیفاء و اخذ الحق (کلیات) سے یہ وہم نہ ہو کہ توفی ماخوذ از وفاۃ کے یہ حقیقی معنے ہیں۔ کیونکہ جیسا کہ مولوی صاحب بتکرار و اصرار لکھ چکے ہیں۔ ماخوذ اور مشتق میں مأخذ اور مشتق منہ کے معنے پائے جانا لابدی ہیں۔ مگر لفظ وفاۃ کے معنے، استیفاء اور اخذ الحق کسی لغت میں بھی موجود نہیں ہیں لا دقیقًا ولا استعمالاً۔ تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اس سے جو فعل مشتق ہو۔ اسکے حقیقی معنے یہ ہوں۔ ہاں اگر کوئی بالغ نظری کا مالک توفی کو ان معنوں میں بعض قرائن قویہ کے قائم کرنیکے بعد کبھی کبھار مجازاً یا کنایۃً استعمال کرلے۔ تو یہ امر دیگر ہے۔ اس سے اسکے حقیقی معنوں پر کوئی زد نہیں پڑ سکتی۔ اور غالباً یہی وجہ ہے۔ کہ ہر دو مصنفین نے اسکے حقیقی اور اصلی معنے (امات اور قبض روح) پہلے لکھے ہیں۔ اور ان معنوں کا بعد میں ذکر کیا ہے۔ میں اس موقع پر مخالف علماء سے یہ جائز مطالبہ کرنا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ وہ قرآن مجید، احادیث نبویہ اور دواوین عرب میں سے توفی بمعنے استیفاء اور اخذ الحق کے استعمال کی چند امثلہ پیش کریں محض کتب لغت میں یہ معنے لکھے ہوئے دکھا دینا کافی نہیں۔ فتامّل کلیات کے الفاظ وعلیہ استعمال العامۃ اور علیہ استعمال البلغاء سے بعض کم فہم اور کوتاہ نظر اس دھوکہ میں پڑ گئے ہیں کہ گویا توفی بمعنے اماتۃ صرف عامی اور جاہل لوگ ہی استعمال کرتے ہیں، خواص اور

180

[2] اسی طرح مختار الصحاح مصری صفحہ ۷۲۶ میں ہے تَوَفَّاہُ اللّٰہُ اَیْ قَبَضَ روحہ والوفاۃ الموت۔ منہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کیا گیا ہے مگر کون نہیں جانتا کہ "وفات" اور "وفا" مترادف نہیں ہیں کیونکہ وفات کے اصل معنے زبان عربی میں بلا ریب صرف موت طبعی کے ہیں۔ فافہم

یا یوں سمجھ لیں کہ الوفاۃ کلمہ جامد تو ہے نہیں کہ اس سے کوئی لفظ نہ بن سکے سو جب اس سے باب تفعّل بنایا جائے تو یقیناً وہ توفی ہی بنیگا۔ پس اس سے بھی معلوم ہُوا کہ توفی کا مأخذ "وفاۃ" ہے

اگر کسی کو عبارت فہمی کا ملکہ اور مدققین کے اسلوب بیان کے سمجھنے کا سلیقہ ہو تو وہ مذکورہ بالا حوالجات سے صاف سمجھ جائیگا کہ توفی کا مأخذ وفاۃ ہے نہ وفاء اور علاّمہ ابو البقا نے اپنی مشہور کتاب کلیات میں تو بالتصریح لکھ دیا ہے اَلتَّوَفِّی الاِمَاتَۃُ وَقَبْضُ الرُّوح وعلیہ استعمال العامۃ

بقیہ حاشیہ فصحاء، استیفاء اور اخذ الحق ہی کے معنوں میں یہ لفظ بولتے ہیں مگر افسوس کہ انہوں نے اتنا بھی نہ سمجھا کہ علی الاقل، لفظ توفی کے معنے اِماتت، مجازی تو ہیں پھر کیا بلغا کسی لفظ کو مجازی معنوں میں بھی استعمال نہیں کیا کرتے؟ اگر کرتے ہیں اور یقیناً کرتے ہیں تو پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ بلغاء لفظ توفی کو ہمیشہ استیفاء اور اخذ الحق ہی کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ تدبّر۔

علاوہ ازیں اس سے ایک اور نہایت خطرناک امر لازم آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کو جو بلاغت کی اعلیٰ ترین حدّ اعجاز کو پہنچا ہُوا ہے۔ اور جس سے بڑھ کر بلیغ کلام کا پایا جانا دائرہ امکان سے بھی باہر ہے۔ نعوذ باللّٰہ من ذالک بلاغت سے گرا ہُوا اور ایک عامی کلام ماننا پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ توفّی بمعنے اماتۃ کے استعمال سے بھرا پڑا ہے۔ خود مولوی صاحب بھی لکھتے ہیں "باقی رہا یہ کہ یہ لفظ (توفّی) قرآن شریف میں بمعنے موت مستعمل ہُوا ہے۔ سو ہم اس سے انکار نہیں کرتے۔" (ص۱۱۱) پس استعمال العامہ سے مراد عام اور غالب استعمال ہے۔ نہ کہ بلاغت سے بے بہرہ اور جاہل لوگوں کا استعمال۔ اسی طرح علیہ استعمال البلغاء کا مطلب یہ ہے کہ توفی بمعنے استیفاء و اخذ الحق وافیا یعنی جسم سمیت کسی چیز کو پکڑ لینے اور اپنا حق دوسرے سے پورا پورا وصول کر لینے کا استعمال نہایت ہی قلیل اور نادر ہے والنادر کالمعدوم صرف وہی لوگ کبھی اسے ان معنوں میں استعمال کر لیتے ہیں جو زبان پر وسیع نظر اور اقتدار رکھنے والے ہوتے ہیں۔ ورنہ عام زبان میں یہ استعمال نہیں ملتا بلکہ میرے نزدیک تو غالباً توفی کے یہ معنے صرف کتب لغت ہی کی زینت بن کر رہ گئے ہیں کیونکہ قرآن مجید، احادیث نبویہ، دوادین عرب اور محاورات اہل زبان میں اس کا یہ استعمال دیکھنے سے میری آنکھیں محروم اور سننے سے میرے کان ناآشنا اور غیر مانوس ہیں رَبِّ زِدْنِی عِلْماً۔

اور اگر ان الفاظ کا مطلب اور مدعا اس تشریح کے خلاف کوئی اور سمجھا جائے۔ کہ جس سے توفّی بمعنے اِماتۃ کا استعمال کلام بلیغ میں معیوب اور ممنوع قرار پائے تو اس صورت میں یا تو قرآن مجید میں ہر جگہ اس کے معنے اُخذ الحق وافیاً یعنی کسی دوسرے سے اپنا پورا پورا حق وصول کر لینا ثابت کرنا ہونگے وہ دونہ خرط القتاد اور یا قرآن مجید کو نعوذ باللّٰہ من ذالک ایک عامی اور ساقط کلام تسلیم کرنا اور علامہ ابو البقاء کو اس کے اعجاز بلاغت کا منکر قرار دینا پڑے گا۔ منہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

والاستیفاء واخذ الحق وعلیه استعمال البلغاء وَ الْفِعْلُ مِنَ الْوَفَاةِ[۱] کہ فعل توفی کا اشتقاق لفظ "وفاۃ" سے ہے۔ فثبت المدعیٰ (کلیات ابو البقاء مطبوعہ مصر ص۱۲۹)

لفظ توفّی اور احادیث

کتب لغات کے علاوہ احادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ دُعائے جنازہ میں یہ الفاظ آتے ہیں:- اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ، کہ اے اللہ، جسے تو ہم میں سے زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جسے تو ہم میں سے وفات دے اسے ایمان پر وفات دے۔

اس میں اَحْيَيْتَ اور اَحْيِ کے بالمقابل تَوَفَّيْتَ اور تَوَفَّ کو رکھ کر صاف بتا دیا ہے کہ جس طرح اِحْيَاءٌ کا ماخذ لفظ "حیاۃ" ہے نہ حَيَاءٌ اسی طرح تَوَفِّي کا ماخذ لفظ "وفاۃ" ہے نہ وَفَاءٌ یہی وجہ ہے کہ لُغت میں "الوفاء" کو "ضد الغدر" لکھا ہے مگر "الوفاۃ" کے معنے یہ نہیں بلکہ "الموت والمنیۃ" لکھے ہیں۔ اسی طرح بخاری اور مُسلم دونو میں یہ حدیث آتی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ..... فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ یعنی کسی وقت بھی موت کی آرزو نہ کرنی چاہیئے، ہاں سخت مصیبت میں گرفتار، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اے اللہ جب تک حیات میرے لئے بہتر ہے، مجھے زندہ رکھ، اور جب وفات میرے لئے بہتر ہو تو مجھے وفات دے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کلمات طیّبات سے بصراحت ظاہر ہے کہ توفّی اور وفاۃ کی آپس میں وہی نسبت اور تعلّق ہے جو کہ احیاء اور حیاۃ میں ہے یعنی جس طرح احیاء کا ماخذ اور مصدر حیاۃ ہے نہ حیاء ٹھیک اسی طرح توفّی کا ماخذ اور مصدر وفاۃ ہے نہ وفاء۔

لفظ توفّی اور مفسّرین

اسی طرح تمام محقق مفسّرین بھی لفظ توفّی کا ماخذ واصل وفاۃ ہی تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ ہاں جن مفسّرین کے دل ودماغ میں کسی وجہ سے یہ عقیدہ جم چکا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السّلام آسمان پر زندہ موجود ہیں انہوں نے اس مجبوری کی وجہ سے آیت انّی متوفّیك اور فلمّا توفّیتنی میں لفظ وفاۃ کی تاویل کر کے اور اس کی اصل حقیقت سے اسے پھیر کر اس کے معنے آسمان پر اُٹھا لینا لکھ دیئے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے۔ کہ اپنے کسی ذاتی عقیدہ کی بنا پر

181

---

[۱] - مولوی بدر عالم دیو بندی نے اپنی کتاب "الجواب الفصیح لمنکر حیاتِ المسیح" کے ص۲ پر کلیات کا یہ حوالہ درج کیا ہے مگر بد دیانتی کا یہ عالم ہے کہ آخری جملہ وَالْفِعْلُ مِنَ الْوَفَاةِ، عمداً نقل نہیں کیا۔ فَفِيْهِ مَا فِيْهِ وَلَعَلَّهٗ خَافَ مِنَ الْوَفَاةِ۔" منہ ❀ [۲] اس کے متعلق حاشیہ صفحہ ۵ و ۶ میں لکھا جا چکا ہے۔ منہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کسی لفظ کے ایک معنے لکھ دینے سے وہ دوسروں پر حُجّت نہیں ہو سکتے۔ اور نہ وہ لغوی معنے کہلا سکتے ہیں چنانچہ عیسائی مصنّفین کتب لغات میں لفظ کلمہ، روح القدس اور صلیب کے یہ معنے لکھ دیتے ہیں۔ اَلْکَلِمَۃُ هُوَ الْاَقْنُوْمُ الثَّانِیْ مِنَ الثَّالُوْثِ الْاَقْدَسِ، کہ تثلیث مقدّس کے ایک فرد کا نام کلمہ ہے۔ رُوْحُ الْقُدُسِ الْاَقْنُوْمُ الثَّالِثُ مِنَ الْاَقَانِیْمِ الْاِلٰهِیَّةِ۔ یعنی الوہیت کے اقانیم ثلاثہ میں سے ایک اقنوم روح القدس ہے۔ اَلصَّلِیْبُ، اَلْعُوْدُ الْمُکَرَّمُ الَّذِیْ صُلِبَ عَلَیْهِ السَّیِّدُ الْمَسِیْحُ، (المنجد) صلیب وہ مکرّم لکڑی ہے جس پر حضرت مسیح مصلوب ہوئے تھے۔

پس یہ امر بالکل محقق ہے کہ مفسّرین عظام لفظ توفّی کا مشتق منہ لفظ وفاۃ مانتے ہیں۔ ہاں بعض محض عقیدۃً وفاۃ کے معنے تاویلاً نیند وغیرہ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ پڑھیئے (نمبر۱) علامہ صاحب جامع البیان لکھتے ہیں۔ المراد من الوفاۃ ھٰھنا النوم کہ آیت انی متوفیك میں وفاۃ سے مراد نیند ہے۔ (جامع البیان برحاشیہ کمالین جلد۱ صفحہ ۵۰)

(۲) قال الاکثرون المراد بالوفاۃ ھٰھنا النوم (تفسیر ابن کثیر جلد۲ برحاشیہ فتح البیان جلد۲ صفحہ ۲۲۹) یعنی اکثر مفسّرین نے کہا ہے کہ یہاں وفاۃ سے مراد نیند ہے۔

(۳) المراد بالوفاۃ ھٰھنا النوم (حاشیۃ الشہاب علی البیضاوی جلد۳ صفحہ ۳۰) یہاں وفاۃ سے مراد نیند ہے۔

(۴) التوفّی.... ھی وفاۃ نومٍ.... قال ابن عباس وفاۃ موتٍ ونحوہ لمالك فی العتبیۃ وقال الفرّاء ھی وفاۃ موتٍ، یعنی یہاں توفّی اور وفاۃ سے مراد نیند ہے اور حضرت ابن عباس، حضرت امام مالک اور فرّاء کے نزدیک یہاں وفاۃ کے معنے موت ہی کے ہیں۔ (تفسیر جواہر الحسان مصنّفہ علامہ عبدالرحمٰن ثعالبی جلد۱ صفحہ ۲۷۲ مطبع ثعالبیہ ۱۳۲۵ھ)

(۵) متوفّیك ھی وفاۃ نومٍ او وفاۃ موتٍ قالہ ابن عباسٍ وقال الفرّاء ھی وفاۃ موتٍ (بحر محیط جلد۲ صفحہ ۴۷۳) کہ متوفّیك میں وفاۃ سے مراد نیند ہے یا بقول حضرت ابن عباس اور فرّاء موت ہی کے معنے ہیں۔

(۶) علامہ ابن جریر لکھتے ہیں۔ اختلف اھل التاویل فی معنی الوفاۃ التی ذکر اللّٰہ فی ھٰذہ الآیۃ (اِنّی متوفّیك) فقال بعضھم ھی وفاۃ نومٍ..... وقال الآخرون..... معنی الوفاۃ القبض.... وقال آخرون معنی ذٰلك اِنّی متوفّیك وفاۃ موتٍ (ابن جریر جلد۳ صفحہ ۲۰۴ و ۲۰۲) یعنی اہل تاویل نے آیت انی متوفیك میں وفاۃ کی مختلف تاویلیں کی ہیں، بعض نے نیند مراد لی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وفاۃ کے یہاں معنے "قبض" ہیں اور بعض کے نزدیک

Digitized by Khilafat Library Rabwah

خود موت ہی مراد ہے۔

(۷) آپکے "حضرت نواب صاحب" یعنی نواب صدیق حسن خانصاحب جن کو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی مجدد تسلیم کر چکے ہیں۔ اپنی تفسیر فتح البیان میں توفّی کے متعلق مختلف اقوال ذکر کرکے لکھتے ہیں۔ وانما احتاج المفسرون الی تاویل الوفاة بماذُکر لأنّ الصحیح انّ اللّٰہ تعالیٰ رفعه الی السماء من غیر وفاةٍ۔ کہ چونکہ حضرت مسیحؑ کا بدوں وفات مرفوع ہونا صحیح اور درست ہے۔ اس لئے مفسّرین نے اس آیت میں وفاة کی مذکورہ بالا مختلف تاویلیں کرنے کی ضرورت سمجھی ہے۔ جلد ۲ صفحہ ۴۹

(۸) ای المتوفی بمعنے المستوفی لانّ ظاهر معناه لیس بمراد لعدم ملائمة قوله تعالیٰ۔ (قنوی جلد ۳ صفحہ ۲۲) کہ متوفی کے معنے یہاں "مستوفی" ہیں کیونکہ اس کے ظاہری معنے (وفاة) اللہ تعالیٰ کے قول کے ساتھ مطابقت نہیں کھاتے۔

(۹) توفی کے مختلف معنے بیان کرکے لکھا ہے۔ انما احتیج فی متوفّیك إلی ارتکاب هذه الوجوه لما أن توفی عیسیٰ علیه السلام انما یکون بعد رفعه إلی السماء بقوله ما قتلوه ...... الخ (حاشیہ ابن تمجید علی البیضاوی جلد ۳ صفحہ ۶۲) کہ توفی کے معنوں کی یہ مختلف تاویلیں اس لئے کی گئی ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی توفی (وفاة) ان کے رفع الی السماء کے بعد ہونے والی ہے۔

(۱۰) تفسیر روح المعانی میں ہے۔ إنّ المراد بالوفاة هنا النوم لانهما اخوان ویطلق کل منهما علی الآخر ..... ان المراد بالوفاة موة القوی الشهوانیة یعنی آیت یا عیسیٰ انی متوفّیك میں وفات سے مراد نیند یا قوی شہوانیہ کی موت ہے۔ (جز ۳ صفحہ ۱۵۸)

اہل مذاق اور اصحاب فہم، مفسرین کی اِن عبارات سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے نزدیک بھی فعل توفّی کا مأخذ وفاة ہے نہ کہ وفا اور جہاں تک مَیں نے تفاسیر کا مطالعہ کیا ہے۔ کسی ایک مفسّر نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔ اور اگر وہ لفظ وفاة کی مختلف توجیہات و تاویلات کرنے پر
182 مجبور ہوئے ہیں تو صرف اپنے اِس زعم کی وجہ سے کہ حضرت مسیحؑ آسمان پر زندہ ہیں۔ نہ یہ کہ اس کے حقیقی اور اصلی معنے یہی ہیں۔ چنانچہ حاشیة الشهاب علی البیضاوی میں بھی صاف لکھا ہے:۔ لما کان ظاهره مخالفاً للمشهور المصرح به فی الآیة الاخری اوّله بوجوهٍ (جلد ۳ صفحہ ۳۰) کہ چونکہ اس کے ظاہر اور واضح معنے اس مشہور عقیدہ کے خلاف ہیں کہ مسیحؑ آسمان پر زندہ ہیں اس لئے اسکی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کیا جماعت احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد کی طرف متوجہ ہو گی؟

سیدنا و مولنا حضرت مسیح موعود علیہ وعلیٰ مطاعہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"ہماری جماعت کو معلوم ہو گا کہ اصل غرض خدا تعالیٰ کی میرے بھیجنے سے یہی ہے کہ جو غلطیاں اور گمراہیاں عیسائی مذہب نے پھیلائیں ان کو دُور کر کے دُنیا کے تمام لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جاوے۔ اور اس غرض کو جس کو دوسرے لفظوں میں احادیث صحیحہ میں کسرِ صلیب کے نام سے یاد کیا گیا۔ پورا کیا جائے۔ اس لئے اور اپنی دوسری اغراض کو پورا کرنے کے لئے رسالہ ریویو آف ریلیجنز جاری کیا گیا ہے۔ لیکن اب تک اس رسالہ کے شائع کرنے کے لئے سرمایہ کا انتظام کافی نہیں۔ اگر خدانخواستہ یہ رسالہ کم توجہی اس جماعت سے بند ہو گیا۔ تو یہ واقعہ میں اس سلسلہ کے لئے ایک ماتم ہو گا۔ اس لئے میں پورے زور کے ساتھ جماعت کے جوانمردوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں۔ کہ اس رسالہ کی اعانت کے لئے اس جماعت میں دس ہزار اُردو و انگریزی کے پیدا ہو جائیں۔ تو یہ رسالہ خاطر خواہ چل نکلیگا۔ اور میری دانست میں اگر بیعت کرنیوالے بیعت کی حقیقت پر قائم رہ کر اس بارہ میں کوشش کریں۔ تو اس قدر تعداد کچھ بہت نہیں۔ بلکہ جماعت کی موجودہ تعداد کے لحاظ سے یہ تعداد بہت کم ہے۔ سو اے جماعت کے سچے مخلصو! خدا تمہارے ساتھ ہو تم اس کام کے لئے ہمت کرو۔ خدا تمہارے دل میں القاء کرے۔ کہ یہی وقت ہمت کا ہے"

ہم نے بارہا مخلصین جماعت کو ریویو اردو کی خریداری اور اسکے استحکام کی طرف توجہ دلائی۔ مگر جماعت کی توجہ اس طرف مبذول نہیں ہو سکی۔ آج پھر ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منشاء مبارک کے مطابق عرض کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے جاری کردہ رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو کے خریدار اس قدر کم ہو گئے ہیں۔ کہ ہمیں ذکر کرتے ہوئے بھی ندامت آتی ہے۔ پُرانے خریداروں کے ذمہ بقایا کی رقم بھی بہت زیادہ ہے۔ اگر چند ماہ تک ریویو کو موجودہ حالت میں رہنے دیا گیا تو اس کا جاری رہنا مشکل ہو گا۔ کہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اُن ابتدائی ایام میں جماعت سے دس ہزار خریدار کا مطالبہ اور کہاں آج خواندہ جماعت کی تعداد کم از کم دس گنا زیادہ ہو چکی ہے۔ جماعت کی عدم توجگی کے باعث ریویو کے بند ہو جانے کا تصور ہو

(۱) سو آپ ریویو اردو کی خریداری قبول فرما کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حکم پر عمل کرنیکے علاوہ اپنے آپکو سلسلہ عالیہ کے علماء کے قلم سے نکلے ہوئے ہر موضوع پر مستقل حیثیت رکھنے والے مضامین سے مستفید کریں۔
(۲) اگر کسی وقت آپ ریویو کے خریدار تھے۔ اور آپ کے ذمہ ریویو کا بقایا ہے تو اُسے بہت جلد ادا فرمائیں۔ یہ ایک قرضہ ہے جو اخلاقاً آپکے ذمہ ہے اور بغیر ادائیگی کے آپ کسی صورت میں اس سے سُبکدوش نہیں ہو سکتے۔
(۳) اگر اللہ تعالیٰ نے آپکو توفیق دی ہے۔ تو اپنے غیر احمدی اور غیر مسلم دوستوں کے نام ریویو جاری کروا دیں۔

منیجر ریویو اردو

ریویو آف ریلیجنز اردو۔ قادیان دارالامان۔ مؤرخہ ۵ ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۶ء۔ رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۱۷۹

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ڈابر (ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برمن) لمیٹڈ

صیغہ نمبر ۱۱۹ — پوسٹ بکس نمبر ۵۵۴ کلکتہ

پچاس برس سے مشہور ولاتانی دیسی پیٹنٹ دواؤں کا ہندوستانی وسیع کارخانہ

STAR (REGD) اسٹار ٹریڈ مارک

ملیریا کا حملہ شروع ہوگیا

جوڑی تاپ

(تپ ولرزہ اور اطحال کی دوا)

سے واقف نہ ہو

Regd

دوا کھانے سے پہلے

ملیریا اور باری کے بخار کے لئے یہ اکسیر ہے تین چار خوراک پیتے ہی ملیریا کے کیڑے مرکر بخار کا آنا بند ہوجاتا ہے۔ اس کے استعمال سے خون گاڑھا اور اجابت خلاصہ ہوتی ہے۔ ملیریا کے لئے اس کے مقابلہ میں کوئی دوسری دوا مفید نہیں۔ نقلی دوا سے ہوشیار۔

دوا کھانے کے بعد

قیمت بڑی شیشی پندرہ آنہ ڈاک محصول دس آنہ

چھوٹی شیشی آٹھ آنہ ڈاک محصول ۷ر

Regd

ڈابر بھاسکر لون چورن

(ہاضم اور بھوک بڑھانیوالا)

یہ باترکیب تیار ہوا ہے۔ اس کے استعمال سے بادگولہ بدہضمی اور بھوک کی کمی وغیرہ عوارض جاتے رہتے ہیں روزانہ استعمال سے کسی مرض میں مبتلا ہونیکا احتمال نہیں رہتا۔ یہ کھانے میں خوش ذائقہ ہے۔

قیمت آٹھ آنہ ڈاک محصول دس آنہ ۱۰ر

نوٹ:۔ ہر جگہ ہمارے ایجنٹوں کے ہاں اور دواخانوں میں ملتی ہے دوا خریدتے وقت اسٹار ٹریڈ مارک اور ڈابر نام ضرور دیکھ لیا کریں۔

پنجاب کے خاص خاص شہروں میں سول ایجنٹ کی ضرورت ہے۔